نقوشِ حیات

محسن الامت عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی **محمد عبداللہ** صاحب پھولپوریؒ نوراللہ مرقدہٗ

بسم الله الرحمن الرحيم

نقوشِ حیات

محسن الامت عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی **محمد عبداللہ** صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ

زیر اہتمام

پیر طریقت حضرت مولانا شاہ مفتی **محمد احمد اللہ** صاحب پھولپوری دامت برکاتہم

خلیفہ وجانشین

محسن الامت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ

ناشر: اشرفی کتب خانہ ''مرکزی خانقاہ شاہِ ابرار'' پھولپور، اعظم گڈھ، یوپی

not found.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلات

نام کتاب: نقوشِ حیات
محسن الامت حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ
کمپوزنگ: وکیل احمد کوپا گنج، مئو
سنہ طباعت: بارِ اوّل ۱۴۴۱ھ/ ۲۰۲۰ء
تعداد صفحات: ۲۴۰
تعداد اشاعت: ۲۲۰۰

ملنے کے پتے:

(۱) دفتر ''فیضانِ اشرف'' مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی
(۲) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' افضل گڈھ بجنور، یوپی
(۳) ''خانقاہ شاہِ عبداللہؒ'' مکان نمبر 4375 گلی نمبر 21 شانتی محلّہ پرانا سیلم پور دہلی 31
(۴) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' (پنجابی مسجد) نمبر 10 نارتھ رنج کلکتہ-17
(۵) ''خانقاہ شاہِ عبداللہ'' 61/1L تپسیا روڈ کلکتہ-39
(۶) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' 19/b-3# کراس عمر باغ لے آؤٹ جے پی نگر بنگلور-78
(۷) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' مدرسہ بیت العلوم اورنگ آباد مہاراشٹر
(۸) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' المنان کمپلیکس تھاوے روڈ گوپال گنج، بہار
E-mail:baitululoom256029@rediffmail.com
www.phoolpuri.org

فہرست مضامین

۱	سخنہائے گفتنی	۱۶
۲	اظہارِ مسرت	۲۰
	سوانحی خاکہ	۲۵
۳	نام ونسب	۲۵
۴	ولادت	۲۵
۵	سکونت	۲۷
۶	آباءواجداد	۲۹
۷	تعلیم	۳۰
۸	مشہور اساتذہ	۳۰
۹	تدریس	۳۱
۱۰	علمی یادگار	۳۱
۱۱	بیت العلوم کی نظامت	۳۱
۱۲	اصلاحی تعلق	۳۲
۱۳	مریدین رمجازین بیعت	۳۲
۱۴	بیماری، وفات اور تدفین	۳۲

	تفصیلی حالات	۳۴
۱۵	نام ونسب	۳۵
۱۶	سکونت	۳۶
۱۷	جائے پیدائش	۳۶
	آباء واجداد	۳۷
۱۸	شیخ امانت اللہ	۳۷
۱۹	مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ	۳۸
۲۰	الحاج بابوابوالبرکات صاحب پھولپوریؒ	۴۰
۲۱	تعلیم وتربیت	۴۲
۲۲	ابتدائی تعلیم	۴۲
۲۳	بیت العلوم کی طالب علمانہ زندگی	۴۳
۲۴	بیت العلوم کے رفقائے درس	۴۵
۲۵	مظاہر علوم میں داخلہ	۴۶
۲۶	عربی ہفتم کے اساتذہ	۴۶
۲۷	نادر تعویذ کی اجازت	۴۷
۲۸	فراغت	۴۸
۲۹	خصوصی سندِ حدیث	۴۸

۳۰	شعبۂ افتاء	۴۸
۳۱	دورِ طالب علمی	۴۹
۳۲	مفتی مظفر حسین صاحب سے عقیدت ومحبت	۵۰
۳۳	خورد وکلاں کے محبوب	۵۱
۳۴	امتیازی نمبرات سے کامیابی	۵۱
۳۵	دورہ کے مخصوص شرکاء درس	۵۲
	درس وتدریس	۵۳
	تصوف اور اہلِ تصوف	۵۵
۳۶	دین میں تصوف کی ضرورت	۵۵
۳۷	تصوف اور اصلاح نفس	۵۹
۳۸	شیخ طریقت اور اس کی ضرورت	۶۱
۳۹	شیخ کامل کی پہچان	۶۲
۴۰	اخلاق صوفیہ	۶۶
	بیعت وسلوک	۶۹
۴۱	اصلاحی تعلق	۶۹
۴۲	حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ	۷۰
۴۳	حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ سے عقیدت ومحبت	۷۲

	مدرسہ بیت العلوم اور انتظام وانصرام	۷۴
۴۴	حضرت والا علیہ الرحمہ اور مدرسہ کی ذمہ داریاں	۷۴
۴۵	انتظام وانصرام	۷۶
۴۶	تعلیمی ترقی	۷۷
۴۷	شعبۂ حفظ	۷۷
۴۸	شعبۂ پرائمری	۷۸
۴۹	قوم کے نام ایک پیغام	۷۸
۵۰	اچھے پرائمری اسکول بچوں کو صحیح رخ دیتے ہیں	۷۹
۵۱	مدرسہ کی طرف لوگوں کا رجحان	۸۰
۵۲	بے لوث خدمت	۸۱
	طریقۂ اصلاح وتربیت	۸۳
۵۳	اصلاحی خط وکتابت کی اہمیت	۸۳
۵۴	نفس کی اصلاح کے لیے چند مفید کتابیں	۸۴
۵۵	تعلیم وتربیت کے نمونے	۸۵
۵۶	کامیابی کا راز	۸۷
	خواتین کی اصلاح	۸۹
۵۷	اسلامی معاشرہ میں خواتین کا کردار	۸۹

۵۸	عورت کا مقصدِ تخلیق	۹۰
۵۹	عورتوں کے کام	۹۱
٦۰	اوراد و وظائف	۹۲
٦۱	صبح شام کے معمولات	۹۲
٦۲	خواتین کے مطالعہ کے لیے چند دینی کتابیں	۹۴
	مجالس	۹۵
٦۳	رجال سازی کی ضرورت	۹٦
٦۴	صحبت بدوں مجاہدہ ناقص ہے	۹۷
٦۵	مقبولیت کی پہچان	۹۸
٦٦	وعظ و تقریر	۹۹
٦۷	تقریر کے نمونے	۹۹
	مجلس دعوۃ الحق	۱۰۱
٦۸	اخلاصِ نیت کی برکتیں	۱۰۳
	دستور العمل	۱۰۷
٦۹	تصوف کی حقیقت	۱۰۷
۷۰	تصوف کا مقصد	۱۰۸
۷۱	تصوف کے مبادی	۱۰۹

۷۲	بیعت وصحبت	۱۱۰
۷۳	ریاضت ومجاہدہ	۱۱۱
۷۴	مجاہدۂ اختیاریہ	۱۱۲
۷۵	مجاہدۂ اضطراریہ	۱۱۲
۷۶	اذکار، اشغال اور مراقبات	۱۱۴
	اذکار	۱۱۵
۷۷	اقسامِ ذکر اور ان کا دستور العمل	۱۱۶
۷۸	ذکر کے لیے وقت متعین کرنا	۱۱۷
۷۹	نمازِ توبہ	۱۱۷
۸۰	ذکر نفی واثبات	۱۱۸
۸۱	ذکر اثباتِ مجرد	۱۱۸
۸۲	ذکر اسمِ ذات	۱۱۸
۸۳	یک ضربی ذکر	۱۱۹
۸۴	مقصدِ ذکر	۱۲۰
۸۵	ذکر میں اعتدال	۱۲۲
۸۶	حضرت حکیم الامتؒ کا تجویز کردہ دستور العمل	۱۲۳
۸۷	عامی مشغول کا خاص دستور العمل	۱۲۴

۸۸	عامی فارغ کا خاص دستور العمل	۱۲۵
۸۹	عالم مشغول کا خاص دستور العمل	۱۲۵
۹۰	عالم فارغ کا خاص دستور العمل	۱۲۶
۹۱	اشغال	۱۲۶
۹۲	شغل کی حقیقت	۱۲۷
۹۳	شغل کی ضرورت	۱۲۸
۹۴	شغل کی قسمیں	۱۲۹
۹۵	شغل انحد	۱۳۰
۹۶	شغل اسمِ ذات	۱۳۱
۹۷	شغل حبسِ بصر	۱۳۲
۹۸	حبسِ دم	۱۳۳
۹۹	مراقبات	۱۳۴
۱۰۰	مراقبہ کی حقیقت	۱۳۵
۱۰۱	مشارطہ اور محاسبہ	۱۳۶
۱۰۲	مراقبہ کی قسمیں	۱۳۶
۱۰۳	مراقبۂ محبتِ حق	۱۳۷
۱۰۴	مراقبۂ رزق	۱۳۸

۱۰۵	مراقبۂ موت	۱۳۸
۱۰۶	مراقبۂ رؤیت	۱۳۹
۱۰۷	مراقبۂ سفر آخرت	۱۳۹
۱۰۸	توابع وثمرات	۱۴۰
۱۰۹	احوالِ رفیعہ	۱۴۱
	خدمات	۱۴۶
۱۱۰	سب سے پہلی تصنیف	۱۴۶
۱۱۱	اساتذہ کی شہادتیں	۱۴۹
۱۱۲	مولانا مفتی مظفر حسین صاحب ناظم مظاہر علوم	۱۵۰
۱۱۳	مولانا رضوان نسیم مظاہری	۱۵۰
۱۱۴	مولانا محمد اللہ مظاہری	۱۵۱
۱۱۵	فیضانِ اشرف کے اداریے	۱۵۲
۱۱۶	تقریریں	۱۵۲
۱۱۷	خانقاہی نظام کی ترویج واشاعت	۱۵۳
	خانقاہی نظام......	۱۵۵
	اخلاق وعادات	۱۶۷
۱۱۸	اتھاہ محبت	۱۶۷

۱۱۹	محبوبیت	۱۶۸
۱۲۰	معمولاتِ زندگی	۱۶۹
	خلفاء ومُجازین	۱۷۲
۱۲۱	مریدین	۱۷۲
۱۲۲	مجازین	۱۷۲
۱۲۳	مجازین بیعت	۱۷۳
۱۲۴	مجازین صحبت	۱۷۵
	اولاد واحفاد	۱۷۸
	مزاج ومذاق	۱۸۵
۱۲۵	مہمان نوازی	۱۸۵
۱۲۶	تعمیراتی ذوق	۱۸۵
۱۲۷	عالی دماغ، بلند حوصلہ	۱۸۷
۱۲۸	ظرافت اور زندہ دلی	۱۸۸
۱۲۹	اختلافی امور سے اجتناب	۱۸۹
	عبادت وریاضت	۱۹۰
۱۳۰	ایک یادگار سفر	۱۹۰
۱۳۲	رمضان کا اعتکاف	۱۹۱

۱۳۳	زندگی کا آخری رمضان	۱۹۲
۱۳۴	پھولپور کا آخری جمعہ	۱۹۴
۱۳۵	آخری عمرہ	۱۹۵
	بیماری، وفات اور تدفین	۱۹۶
	باز آمد شاہِ من در کوئے من......	۱۹۶
۱۳۶	سوئے حرمین شریفین	۲۱۱
۱۳۷	آخری لمحات	۲۱۲
۱۳۸	جنت المعلّٰی	۲۱۳
۱۳۹	حرمین میں وفات کی فضیلت	۲۱۶
۱۴۰	پسماندگان	۲۱۷
	علماء کے تأثرات	۲۱۹
۱۴۱	حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی	۲۱۹
۱۴۲	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی	۲۲۰
۱۴۳	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی	۲۲۱
۱۴۴	حضرت مولانا نجم الحسن صاحب مظاہری	۲۲۲
۱۴۵	حضرت مولانا عبد العلی صاحب فاروقی	۲۲۳
۱۴۶	مولانا مرزا اشفاق احمد اصلاحی	۲۲۳

۱۴۷	مولانا ظہیر انور صاحب قاسمی	۲۲۵
۱۴۸	مولانا رحمت اللہ صاحب اثری فلاحی	۲۲۵
۱۴۹	پروفیسر اشتیاق احمد صاحب ظلّی	۲۲۶
۱۵۰	مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی	۲۲۷
۱۵۱	مولانا عمیر الصدیق صاحب ندوی	۲۲۸
۱۵۲	مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتح پوری	۲۲۸
۱۵۳	مولانا مستقیم احسن صاحب اعظمی	۲۲۹
۱۵۴	حضرت مولانا سید اشہد صاحب رشیدی	۲۲۹
۱۵۵	حضرت مولانا عبد الرشید صاحب مظاہری	۲۳۰
۱۵۶	مظاہر علوم وقف سہارن پور	۲۳۱
۱۵۷	تاریخ وفات مقبولِ عالم	۲۳۲
۱۵۸	مرثیہ	۲۳۵
۱۵۹	مرثیہ	۲۳۷
۱۶۰	مرثیہ	۲۴۰

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

سخنہائے گفتنی

خاکئ نوری نہاد و نوریٔ خاکی اساس
خواجۂ بندہ نواز و بندۂ یزداں شناس

کسی صاحب فضل وکمال، خلق وخصال، شخصیت کی ایسی تصویر کشی جو اس کی زندگی کے تمام خط وخال کوالم نشرح کردے، بظاہر مشکل ہی نہیں بسا اوقات ناممکن نظر آتی ہے، اس کی حیات چندروزہ جو لاکھوں کروڑوں میں نمایاں نظر آرہی ہے، اور وہ کمالات کی جس بلندی پر پرواز کررہا ہے، یہاں تک پہنچنے میں اسے کن کن جسمانی وروحانی نشیب وفراز سے گذرنا پڑا، احوال وکیفیات کی کیسی کیسی وادیوں سے دوچار ہونا پڑا، بلندیٔ مراتب کے اس عظیم منصب پر پہنچنے پر اس کو اپنے مربی حقیقی حق تعالیٰ جل مجدہٗ کی جناب سے کیسے کیسے حالاتِ بابرکات کا سابقہ پڑا جب تک ان امور کو وہ خود بیان نہ کرے کسی اور کے حیز استطاعت سے خارج نظر آتا ہے، اس لیے کہ بندوں کے احوال اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان راز ہوتے ہیں جن پر کوئی بھی باخبر نہیں ہوتا، کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

میانِ عاشق ومعشوق رمزیست   کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

عاشق ومعشوق کے درمیان ایک راز ہوتا ہے، جس کی خبر کراماً کاتبین کو بھی نہیں ہوتی۔ البتہ اس کے ظاہری اعمال واحوال کو دیکھ کر اس کی قلبی کیفیت کا کچھ اندازہ لگالینا بعید از امکان نہیں ہے۔

والد ماجد شیخ محترم محسن الامت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ از اجلۂ خلفاء محی السنہ شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی ہردوئی قدس سرہٗ ونبیرہ قطب الاقطاب سلطان العارفین حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ، اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں میں سے تھے جن سے ایک مخلوق حق کی روشنی، وصول الی اللہ کی دولت، شریعت وسنت سے آگہی، دنیا بیزاری، فکر آخرت، اصلاحِ اخلاق اور تہذیب نفوس سے بہرہ مند ہوئی، حضرت والا کا بچپن، دورِ شباب اور زمانہ شیوخت زندگی کا ہر ایک مرحلہ ابنائے عصر کے لیے قائدانہ اور مثالی رہا، ظاہر ہے کہ بموجب سنتِ الٰہیہ کوئی پھل دار اور سایہ دار رخت اچانک اپنے مرتبۂ کمال کو نہیں پہونچتا ہے بلکہ تخم ریزی سے لے کر تناور اور برومند ہونے تک مجاہدات اور حوادث کے ایک طویل سلسلہ سے ہو کر اسے گزرنا پڑتا ہے، اسی طرح حضرت محسن الامت علیہ الرحمہ کی بلندیٔ اقبال اور انسانیت کی اس معراج کے پیچھے یقیناً کچھ اسباب وعوامل ہوں گے اور کچھ محرکات ومرجحات ہوں گے، کہ اردگرد ضلالت وغوایت کی ہوائیں چلنے کے باوجود، دنیائے دنی کے فریب آمیز حسین نظاروں کے باوجود، نفس و شیطان کے چوطرفہ کشاکشی کے باوجود ایک انسان کس طرح خود کو دین وشریعت کے تقاضوں پر

کھڑا کرتا ہے اور کیسے وہ مرضیٔ مولیٰ پر قربان ہوکر کامیابی وکامرانی کے بلند منازل کو طے کرتا ہے، یہ اس کی زندگی کا ایک لائق تقلید اور قابل اسوہ حصہ ہوتا ہے، جو نسلِ آئندہ کے لیے بہترین لائحۂ عمل اور مقاصد حسنہ کی حسین ترین شاہراہ ہوا کرتی ہے۔

پھر آپ کا اپنے مولیٰ اور محبوب حقیقی سے کیسا وفاداری اور جانثاری کا تعلق تھا، اس کا کچھ اندازہ آپ کی جفاکش زندگی مجاہدوں سے بھرے ہوئے سلسلۂ شب وروز اور خلق کی فلاح وبہبودی کے لیے بلند عزائم کو دیکھ کر ہوتا ہے، آقائے مدنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہا ''مَا لِیْ وَلِلدُّنْیَا إِنَّمَا اَنَا کَرَاکِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَهَا'' کہ مجھے دنیا اور آسائش دنیا سے کیا لینا دینا، میری مثال تو اس مسافر کی طرح ہے جو راہ چلتے چلتے تھک کر کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام کے لیے بیٹھا اور پھر چلتا بنا۔

حضرت محسن الامت علیہ الرحمہ اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ عالی شان پر کس طرح عمل پیرا ہوئے، آپ کی زندگی اس کے لیے واضح دلیل ہے، آغازِ شباب سے ہی جدامجد حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ کے لگائے ہوئے شجرۂ طوبیٰ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم کی آبیاری اور ہر چہار طرفہ تیز رفتار ترقیاتی منازل کی طرح گامزن ہو چکے تھے۔

صلاح وتقویٰ کے ساتھ ساتھ فطری صلاحیت نے آغازِ شباب ہی میں آپ کو اپنے شیخ حضرت محی السنہ علیہ الرحمہ کا منظورِ نظر بنا دیا تھا، لہٰذا تقریباً ۲۵ سال کی عمر میں ہی آپ اپنے شیخ کے اجازت یافتہ ہو چکے تھے، پھر آپ نے سلسلہ کی اشاعت اور

تزکیۂ نفوس واصلاح وارشاد کے فرائض کے ادائیگی کے لیے وہ انتھک محنت اور غیر معمولی جانفسانی کے ساتھ میدانِ عمل میں آئے کہ ملک کے طول وعرض کے علاوہ بیرونِ ملک بھی آپ کا حلقۂ ارادت وسیع ہوتا چلا گیا، اور بہ وقت وصال ہزاروں زبان نے یہ اقرار کیا کہ حضرت نے بہت کم عمر میں بہت بڑا کام کیا۔

انھیں اجمالی احوال کی تفصیلات کے لیے یہ کتاب بنام ''نقوشِ حیات'' مرتب کی گئی ہے، جو دراصل ان متفرق مضامین کا مجموعہ ہے جو اخی فی الدین جناب مولانا ابن الحسن صاحب قاسمی استاذ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم کے قلم سے نکل کر ماہنامہ رسالہ فیضانِ اشرف کی زینت بنتے رہے، اللہ تعالیٰ موصوفِ محترم کی کاوشوں کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جملہ قارئین کو حضرت والا کی زندگی سے عبرت پذیری کا موقع حاصل ہو، ابھی مختصر احوال جو میسر ہوئے قیدِ تحریر میں آگئے ہیں، ان شاء اللہ آئندہ مزید تفصیلی احوال پیش کرنے کا عزم ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبولیت سے نوازے اور آئندہ بھی حضرت محسن الامت علیہ الرحمہ کے علمی وعملی افادات کی اشاعت سہل فرمائے۔ (آمین) **وماذلک علی اللہ بعزیز۔**

محمد احمد اللہ پھولپوری غفرلہٗ ولوالدیہ
خادم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ
۲۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۱ھ

اظہارِ مسرت

حضرت مولانا مفتی محمد اجود اللہ صاحب پھولپوریؔ
خلیفہ محسن الامت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوریؔ نوراللہ مرقدہٗ

ربّ کائنات کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ابتدائے آفرینش سے ہی جب اس دنیا کو عدم سے وجود بخشا، تو صاف لفظوں میں اعلان کردیا کہ اے انسانو! یہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں؛ بلکہ میں نے اسے تمہارے لیے آخرت میں ذخیرہ کرنے کے لیے بنایا ہے اور چوں کہ اس دنیائے دنی سے اپنے محبوب کو گذارنا تھا تاکہ ہم اس کے بتائے ہوئے عمل کو اپنی زندگی گزارنے کا طریقہ بنا سکیں، تو اس دنیا کو تھوڑی زیب وزینت بھی بخش دی، تاکہ محبوب ربّ کائنات کا استقبال بھی ہوسکے اور انسانوں کے لئے ایک امتحان گاہ بھی، کہ کون ان نعمتوں کی رنگینیوں میں رہ کر بھی اپنے منعم کو یاد رکھتا ہے اور کون ان نعمتوں میں الجھ کر منعم حقیقی کو فراموش کر بیٹھتا ہے؟

اسی دنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی آئے، جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعلیمات وفرمودات کو یکسر نظر انداز کر کے دنیا کی دلکشیوں میں کھو گئے اور اپنے آنے کے مقصد کو بھول بیٹھے، وہ اس دنیا کو ہی اپنی منزل سمجھ بیٹھے اور دنیا کی آرائش وزیبائش میں اتنا محو ہوئے کہ اپنی طرف بڑھتے موت کے پنجوں کی آہٹ کو بھی نہ سن سکے، اور انہیں احساس بھی نہ ہوا کہ دنیا کی دلفریبیوں میں پڑ کر انہوں نے کس ربِّ عظیم کے احکامات کو بھلا دیا، حالاں کہ ان کے سامنے نہ جانے کتنی کلکاریوں نے اپنی مسکراہٹیں بکھیریں اور نہ جانے کتنے نوحوں کی دلدوز صداؤں نے ان کے کلیجوں کو چھلنی کیا، اور نہ جانے کتنے ان کے اپنوں کی زندگیوں سے بھرپور کشتیوں کو وقت کے تھپیڑوں نے موت کے اتھاہ سمندر میں غرقاب کر دیا، موت کا فرشتہ روزانہ طائر روح کو ربّ ذوالجلال کے حکم کے پنجرے میں بند کر کے یہ اعلان کرتا رہا کہ ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾۔

لیکن ان نعمتوں میں کھویا ہوا انسان اپنے منعم کی یاد کو اپنے اندر سمو نہ سکا، جاگا تو تب، جب موت سے پہلے کے سناٹے نے اس کی روح کو ہلا کر رکھ دیا، مگر افسوس اب یہ جاگنا کسی کام کا نہ رہا؛ اس لیے کہ عمر مستعار نے اپنا طے شدہ وقت مکمل کر لیا، اب سوائے افسوس اور ندامت کے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔

کاش! وقت رہتے ہوئے ان نعمتوں کے دینے والے مالک کو یاد کر لیتا، تو کف افسوس نہ ملنا پڑتا، خیر......! اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل سلیم دے!!

وہیں دوسری طرف اسی دنیا میں کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہوئے

جنہوں نے گونا گونعمتوں اورآرائشوں کے باوجود ربِّ حقیقی سے اپنے تعلقات کو اس قدر استوار رکھا کہ ان کی زندگیاں بہتوں کے لیے راہ عمل بن گئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کوانہوں نے اپنی زندگیوں کا اوڑھنا بچھونا بنالیا، پھر کیا تھا ربّ کائنات نے ساری کائنات کوان کا خادم بنادیا، اور وہ لوگ مالک حقیقی کی محبت میں سرشار اللہ کے بندوں کے دلوں میں محبت کی آگ لگاتے چلے گئے اور اپنی زندگی کے ہر لمحۂ حیات کو مالک حقیقی پر فدا کرتے ہوئے اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے۔

اسی سلسلہ کی اہم کڑی مدرسہ ہٰذا کے سرپرست، رسالہ ''فیضانِ اشرف'' کے بانی، میرے شیخ ومربی، والدمحترم، محسن الامت، حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری ہیں، جو۱۲؍ربیع الاوّل ۱۴۳۹ھ مطابق ۳۰؍نومبر ۲۰۱۷ء بروز جمعرات بعد نماز فجر مکۃ المکرّمہ میں فانی زندگی سے ابدی زندگی کی طرف مسکراتے ہوئے کوچ کرگئے، ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾۔

حضرت والا صحیح معنوں میں روح تھانوی کے قوی علم بردار، شاہ پھولپوری کے سچے جانشین، محی السنہ کے تربیت یافتہ اورمجاز، بہترین مربی ومصلح بے مثال مفسر ومحدث، اعلیٰ اخلاق سے مزین، عظیم ملی سرمایہ تھے۔

ع آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

آپ کی رحلت ایک ذات کا نہیں؛ پورے ایک عہد کا خاتمہ ہے۔

بچھڑا وہ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

ہم قضاوقدر کے ہر فیصلہ کو بلا چون و چرا کے تسلیم کرتے ہیں اورغم کی اس تاریکی میں کلمات نبوت سے روشنی حاصل کرتے ہیں، ’’ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ‘‘۔

ربِّ کائنات حضرت والا علیہ الرحمہ کو اپنی شایان شان جزا وبدلہ عطا فرمائے اوراعلیٰ علیین میں مقام خاص نصیب فرمائے۔(آمین)

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اخی الفاضل مولانا ابن الحسن صاحب قاسمی استاذ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم، سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی کی مرتب کردہ ہے، جس میں والدصاحب نوراللہ مرقدہ کے سوانحی نقوش کونہایت اختصار کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

ماشاءاللہ اس کتاب میں موصوف نے حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی کے تقریباً تمام گوشوں کو احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، اور کچھ حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں، مصنف نے حضرت والد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر لکھنے پڑھنے کا خاص ذوق حاصل کیا ہے، ان کے مضامین اکثر ماہنامہ ’’فیضان اشرف‘‘ کی زینت بنتے رہتے ہیں، یہ کتاب بھی درحقیقت فیضان اشرف میں والد صاحب کے تعلق سے لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے، جسے حذف واضافہ کے بعد

کتابی شکل دے دی گئی ہے۔موصوف ہماری طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔
امید ہے کہ یہ کتاب پسند کی جائے گی اللہ تعالیٰ اس کتاب کی تیاری میں تعاون کرنے والوں کو اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے،آمین۔

محمد اجود اللہ پھولپوری عفی عنہ
نائب ناظم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم
سرائے میر،اعظم گڈھ،یوپی
۲۶/ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانحی خاکہ

نام ونسب:

آپ کا نام نامی اسم گرامی محمد عبداللہ، والد کا نام حاجی ابوالبرکات (عرف چھوٹے بابواور بڑے والد حاجی ابوالفضل عرف بڑے بابو معروف تھے) دادا کا نام شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری، پردادا کا نام شیخ عبدالوہاب اور شیخ عبدالوہاب کے والد کا نام شیخ امانت اللہ ہے۔

ولادت:

ضلع اعظم گڈھ کے موضع آنوک پوسٹ سرسال میں آپ کا نانیہال ہے، نانیہال ہی میں یکم شوال ۱۳۸۰ھ، مارچ ۱۹۶۱ء میں ولادت باسعادت ہوئی۔

آپ اپنے والدین کی پہلی اولاد تھے،آپ کی پیدائش پر پورا دادیہال اور نانیہال کا گھرانہ خوشیوں کی برسات میں نہال ہوگیا،خصوصاً والدین محترمین کی مسرت تو دیدنی تھی، گویا بزبان حال یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

مرے چمن زیست میں یہ پھول کھلا ہے پہلا
پھیل جائے ساری دنیا میں خوشبو خدا کرے

والدین کی یہ تمنا بامراد ہوئی، اورچشم فلک نے دیکھا کہ اس نونہال کی خوشبوؤں سے ایک جہان کا مشامِ جاں معطر ہوا۔

دادا جان علیہ الرحمہ اس وقت درِ دولت پھولپور مین تشریف فرماتھے اور محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی علیہ الرحمہ بھی اس وقت وہیں تشریف فرما تھے۔ واضح رہے کہ حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ نے اپنے شیخ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے وصال کے چند سال کے بعد حضرت پھولپوری علیہ الرحمہ سے اصلاحی تعلق قائم فرمالیا تھا، اوراس سلسلہ میں بکثرت پھولپور آمدورفت رہتی تھی، غالب گمان یہ ہے کہ رمضان میں شیخ کی معیت میں اعتکاف گذارنے کے واسطے یہ حاضری ہوئی ہوگی، اور حضرت والا کی پیدائش کے دن یعنی یکم شوال کو آپ پھولپور میں ہی تشریف فرماتھے، چناں چہ حضرت پھولپوری اور حضرت ہردوئی دونوں حضرات نے پھولپور سے آنوک کا سفر کیا، حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ نے حضرت والا سے یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت پھولپوری نے مجھ سے فرمایا کہ چلیئے مولوی ابرار! پوتا دیکھ آئیں، چناں چہ دونوں حضرات آنوک پہونچے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ دونوں حضرات جن میں اوّل الذکر حضرت والا کے جسمانی باپ تھے، اور ثانی الذکر روحانی باپ ہونے والے تھے، نیز دونوں کے

دونوں بارگاہِ تھانوی کے قمرین نیرین تھے، پھولپور سے آنوک تک کے مختصر سفر میں جو یکہ سے طے ہوا تھا، اپنے پروردگار سے کیا مناجات کیے ہوں گے، مستقبل کے کیا کیا سپنے آنکھوں میں سجائے ہوں گے، تمناؤں کے کیسے کیسے جذبات کو سینے میں دبائے ہوں گے، کہ آنوک پہونچنے کے بعد جوں ہی اس عظیم پوتے کو دادا جان قدس سرہٗ کے ہاتھ میں دیا گیا، دادا جان نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا، کہ ارے اسے جلدی لے جاؤ، جلدی لے جاؤ! **میرا جانشین آ گیا**۔ گویا جسمانی ولادت کے دن ہی روحانی ولادت کی تخم ریزی ہوگئی، آنے والے صفحات میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے کہ مردِ قلندر کے زبان حق ترجمان سے نکلنے والا یہ جملہ کیسا صحیح واقع ہوا، کہ یہ بچہ جو بظاہر ایک عام اور معمولی سا بچہ تھا، ان ہر دو جسمانی و روحانی ابوین کی نگاہِ فیض سے علم شریعت اور روح طریقت کا ایک عظیم شناور ہوتا ہے۔

سکونت:

دادا جان حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب قدس سرہ نے اپنا آبائی وطن ’’چھاؤں‘‘ سے ترک سکونت اختیار کر کے پھولپور کو اپنا وطن بنا لیا تھا، اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے، ابتداءً یہ ایک چھوٹی سے غیر معروف بستی تھی، مگر بقول علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کہ ’’حضرت پھولپوری نے پھولپور کو انٹرنیشنل بنا دیا‘‘ سچ ہے کہ مکان کی عزت ورفعت اور شہرت ونام وری سب مکین کے

صدقے میں ہوتی ہے، ظاہر بین بھی نگاہیں تو اینٹ پتھر اور مادی چمک دمک سے متأثر ہوکر اسی میں گم ہوجاتی ہے، مگر ایک طالب صادق اور عاشق کی نگاہیں دیار عشق کے ہر ہر گلی کوچے میں معشوق کے نقوشِ پا کو ڈھونڈتی ہیں، درودیوار پر کسی حسین کی مست نگاہوں کے عکس کو تلاش کرتی ہے، وہاں کے ہر شجر وحجر میں رخِ محبوب کی بھولی بھالی اور موہنی صورت دکھائی دیتی ہے، مجنون نے کتے کو دیکھا تو اس کے پاؤں کو بوسہ دینے لگا۔

پائے سگ بوسید مجنوں خلق پرسند ایں چہ سود
ایں سگے در کوئے لیلیٰ گاہے گاہے رفتہ بود

لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ کیا دیوانہ پن ہے، اس نے جواب دیا، کہ تم لوگ اسرارِ عشق سے ناواقف ہو، تمہیں کیا خبر اس کتے کے پاؤں میں میرے محبوب کے گلی کے گرد وغبار لگے ہوئے ہیں، اور مجھے اتنی نسبت ہی کافی ہے۔

آپ کا دولت کدہ پھولپور سے شاہ گنج جانے والی شاہِ راہ پر بائیں جانب واقع ہے، اور مکان سے جنوب میں ایک سہ طرفہ موڑ ہے، جو کہ مغرب میں ریلوے اسٹیشن کی طرف جس کا نام خوراسن روڈ ہے، مشرق میں پھولپور سبزی منڈی کی طرف اور جنوب میں موضع مجواں کو جاتا ہے، جب کہ شمال میں درِ دولت کا وسیع وعریض احاطہ ہے، باہر سے خانقاہ کی سہ منزلہ عمارت اور بلند وبالا پانچ منزلہ ''مسجد شاہ عبداللہ'' دکھائی دیتی ہے، اگرچہ ظاہر بیں نگاہیں اس جگہ

تعمیرات کا ایک سلسلہ دیکھتی ہیں، لیکن حقیقت شناس کو دور ہی سے در و دیوار میں ذکر کے انوار، فنائیت کے آثار اور عشق حقیقی کے رنگہا رنگ مناظر دکھائی دیتے ہیں، کسی نے سچ کہا ہے ؎

خاک سمجھیں گے وہ ظاہر بیں رموز معرفت
جو ہمیشہ شاہد بازار کی باتیں کریں

آباء واجداد:

اجداد میں شیخ امانت اللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک صاحب نسبت، باکرامت بزرگ اور ولی کامل تھے، ان کا اصلاحی تعلق مرزا مظہر جان جاناں کے خانوادۂ تصوف سے تھا، دادا حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی صاحب نسبت عابد، زاہد بزرگ تھے، ان کی پیدائش ۱۸۹۰ء میں ضلع اعظم گڈھ کے ایک گاؤں ''چھاؤں'' میں ہوئی، اور حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، اور شیخ کے علوم ومعارف کے امین بن گئے، انہوں نے دو دینی ادارے قائم کیے، ایک ''روضۃ العلوم'' پھولپور میں اور دوسرا ''بیت العلوم'' سرائے میر میں۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے اصلاح خلق کا بہت کام لیا، اخیر عمر ۱۹۶۰ء میں اپنا وطن ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے، اور وہیں ۱۹۶۳ء میں انتقال ہوا، کراچی پاپوش نگر میں مدفون ہیں۔

والد محترم جناب ابوالبرکات صاحب باقاعدہ عالم نہیں تھے، مگر بزرگوں کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے، ان کی ولادت ۱۹۳۷ء اور وفات ۱۷ر نومبر ۲۰۱۲ء میں ہوئی۔

تعلیم:

حضرت کی ابتدائی تعلیم پھولپور ''روضۃ العلوم'' میں، اور حفظ، عربی وفارسی کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر میں ہوئی، کچھ دن حفظ کا دور کرنے کے لیے ''اشرف المدارس'' حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی کے پاس بھی گئے تھے۔

عربی پنجم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۹۸۲ء میں ''مظاہر علوم'' سہارنپور میں داخلہ لیا، اور وہاں ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۴ء تک تین سال رہ کر مشکوٰۃ شریف، دورۂ حدیث شریف اور افتاء کی تعلیم حاصل کی۔

مشہور اساتذہ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحب جونپوری نوراللہ مرقدہ، حضرت مولانا مفتی مظفرحسین صاحب ناظم مظاہر علوم، حضرت مولانا محمد عاقل صاحب، حضرت مولانا محمد سلمان صاحب، حضرت مولانا محمد سجاد صاحب جونپوری، حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب بکھراوی رحمۃ اللہ علیہم، حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب سلطان پوری، حضرت مولانا عبدالرشید صاحب مظاہری

سلطان پوری، حضرت مولانا حافظ بخشیش احمد صاحب، حضرت مولانا حافظ فیروز احمد صاحب اعظمی دامت برکاتہم وغیرہم ہیں۔

تدریس:

فراغت کے بعد ۱۹۸۵ء میں مدرسہ بیت العلوم سرائے میر سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا، اور اسی کو اپنا تعلیمی اور روحانی مرکز بنایا، چھوٹی، بڑی کتابیں پڑھاتے ہوئے مسند شیخ الحدیث تک پہونچے، ملک اور بیرون ملک میں پیرومرشد کے نام سے مشہور ومعروف ہوئے۔

علمی یادگار:

علمی یادگار میں ایک مطبوعہ قلم برداشتہ تصنیف ''تذکار خیرالاخیار'' کے ساتھ وہ ادارتی کالم ہیں جو''فیضانِ اشرف''میں ۱۷ سالوں تک مسلسل آپ کے قلم سے نکلتے رہے، اس کے علاوہ وہ مختلف مضامین ومقالات بھی علمی یادگار ہیں، جووقتاً فوقتاً ''فیضانِ اشرف'' میں لکھے جاتے رہے۔

بیت العلوم کی نظامت:

۱۳۴۹ھ میں حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ نے اپنے پیرومرشد کے حکم سے ایک مدرسہ بیت العلوم کی بنیاد رکھی تھی، ۱۹۹۳ء میں آپ اس مدرسہ کے نائب ناظم بنائے گئے، اور ۲۰۰۵ء میں ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے، ۲۰۱۷ء کے نصف میں سرپرست بھی منتخب ہوئے۔

اصلاحی تعلق/ اصلاح وتربیت:

اصلاحی تعلق محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب نوراللہ مرقدہ سے تھا، انھیں کے دامن تربیت میں رہ کر مجاز بیعت ہوئے، بزرگوں کی طرف سے اصلاح خلق کی جو ذمہ داری کندھے پہ ڈالی گئی، اسے اچھے طریقے سے انجام دیا، پوری زندگی طالبان علوم نبوت کو سیراب کرنے کے ساتھ ساتھ طالبان انوار نبوت کی بھی خبر گیری کرتے رہے۔

مریدین، مجازین بیعت:

جس طرح شاگردوں کی تعداد زیادہ ہے، اسی طرح لاتعداد مریدین بھی ہندوستان کے تقریباً تمام شعبوں میں بالخصوص یوپی اور بہار کے اکثر اضلاع مثلاً اعظم گڈھ، مئو، غازی پور، گورکھپور، دیوریا، مہراج گنج، بستی، خلیل آباد، لکھیم پور، سیتاپور، بارہ بنکی، ہردوئی، لکھنؤ، بجنور، مرادآباد اور مہاراشٹر، کلکتہ نیز بہار کے متعدد اضلاع میں بکھرے ہوئے ہیں، اور بیرون ممالک میں بھی متوسلین کی ایک معتدبہ تعداد پائی جاتی ہے، نیز متعدد خلفاء بھی ملک و بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

بیماری، وفات اور تدفین:

۲۰۱۶ء کے آخر میں دل کا دورہ پڑا، بمبئی میں علاج ہوا، درمیان میں طبیعت بنتی بگڑتی رہی، اِدھر دو تین مہینہ سے روبہ صحت تھے، ۱۷ر نومبر ۲۰۱۷ء کو اہل خانہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے حجاز مقدس تشریف لے گئے، مکۃ المکرّمہ

میں ۲۷ر نومبر کو پاؤں میں تکلیف کا عارضہ لاحق ہوا، اور ''النور'' نامی ہسپتال میں علاج کے لیے داخل کیے گئے، عمرہ کے بعد ۲ر دسمبر کو واپسی کا ٹکٹ تھا، لیکن ۳۰ر نومبر کو دل کا دورہ پڑنے سے صبح ہسپتال ہی میں انتقال ہوگیا۔ ﴿ انا للہ وانا إلیه راجعون ﴾

آپ کی نماز جنازہ عشاء کی نماز کے بعد امام حرم شیخ محمد خالد الغامدی حفظہ اللہ نے پڑھائی، اور مکۃ المکرّمہ کے قبرستان ''جنت المعلّٰی'' میں مدفون ہوئے، اسی قبرستان میں ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور مشہور محدث قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور ہندوستان کے مشہور بزرگ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی مدفون ہیں، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

تفصیلی حالات

۳۰؍نومبر ۲۰۱۷ء مطابق ۱۰؍ربیع الاوّل ۱۴۳۹ھ جمعرات کا دن تھا، موسم سہانا اور خوشگوار تھا، فضا میں ہلکی خنکی تھی، مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ میں ششماہی امتحان کا آخری دن تھا، اکثر طلبہ گھر جا چکے تھے، امتحان کے نتائج نکالنے کی تیاری ہو رہی تھی، اساتذہ کی تعطیل ہونے کو تھی کہ صبح ۸ بجے مدرسہ کی مسجد ''مسجد نذیر'' کے لاؤڈ اسپیکر سے مولانا محبوب عالم صاحب قاسمی نے اعلان کیا کہ اساتذہ وطلبہ تمام حضرات مسجد میں تشریف لائیں، حضرت کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، صحت یابی کے لئے دعا کرنی ہے۔

تمام لوگ مسجد پہنچے اور حضرت مولانا عبد الرشید صاحب دامت برکاتہم کی معیت میں دعا میں مشغول ہوگئے، دعا کے بعد جب مسجد سے باہر آئے، تو لوگوں کی زبانی مختلف طرح کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرت پر پھر ہارٹ اٹیک کا حملہ ہوا ہے اور اس وقت ہاسپٹل کے اسپیشل وارڈ (آئی، سی، یو) میں ہیں، اسی وقت اچانک یہ خبر بھی بجلی بن کر ہم سب کے دلوں پر گری کہ حضرت انتقال کر گئے، اوّلاً تو سب نے خبر کی تردید کی، مگر یہ صرف طفل تسلی ثابت ہوئی، مولانا

مفتی محمد اجود اللہ صاحب پھولپوری سے رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی؛ مگر ناکام رہے، تھوڑی دیر بعد خبر کی تصدیق ہوگئی کہ حضرت اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

(انا للّٰہ وانا إليه راجعون)

یہ خبر کیا تھی! ایک زلزلہ تھا، جس نے دل ودماغ ہلا کر رکھ دیا، مجھ راقم الحروف کا حال یہ ہے کہ میں کسی کی موت کی خبر سے بہت کم متاثر ہوتا ہوں؛ مگر حضرت کے انتقال کی خبر سے میرا پورا وجود ہل گیا، دل میں ایک انجانا سا درد پیدا ہوا، اور اب تک اس درد کی ٹیسیں اٹھ رہی ہیں، میں بھاگا ہوا اپنے کمرہ میں گیا، اور اندر سے دروازہ بند کرلیا، پھر میں تھا اور میرا رب اور آنسوؤں کا سیل رواں!!

آہ!!!!! وہ پیرمغاں جاتا رہا۔

کچھ دیر بعد باہر نکلا، تو رُت ہی بدل گئی تھی، ہر ایک اشکبار تھا، سب چہرے مغموم، اداس اور گریہ کناں تھے، کیا طلبہ کیا اساتذہ ہر ایک تصویر غم تھا، سب کے سب یتیم ہوگئے، حضرت کی زندگی ہمارے لیے بڑی اہم تھی، کتنوں کی دینی ودنیاوی ضرورتیں حضرت کی ذات سے وابستہ تھیں، کتنے گھر حضرت کی توجہ سے سنورے ہوئے تھے، ان سب کے لیے حضرت کی وفات ایک ایسا حادثہ ہے، جسے کبھی بھلایا نہیں جاسکتا، اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت کرے۔

نام ونسب:

آپ کا نام محمد عبداللہ ہے والد کا نام ابوالبرکات (عرف چھوٹے بابو) دادا

کا نام شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب قدس سرہ، پردادا کا نام شیخ عبدالوہاب اوران کے والد کا نام شیخ امانت اللہ ہے۔

سکونت:

آپ کا خاندانی تعلق شیخ برادری سے ہے، آبائی وطن ''چھاؤں'' ہے، چھاؤں ضلع اعظم گڈھ کی ایک بستی ہے جو سرائے میر کے جنوب میں پھولپور سے بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ کے دادا حضرت مولانا عبدالغنی صاحب قدس سرہ اپنے بعض حالات کی وجہ سے آبائی وطن ''چھاؤں'' چھوڑ کر ''پھولپور'' چلے آئے، اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی، اسی وجہ سے وہ ''پھولپوری'' کہلائے، دادا کی نسبت سے آپ بھی ''پھولپوری'' کہلاتے ہیں۔

جائے پیدائش:

ضلع اعظم گڈھ کے موضع آنوک پوسٹ سرسال میں آپ کا نانیہال ہے، نانیہال ہی میں یکم شوال ۱۳۸۰ھ، مارچ ۱۹۶۱ء میں ولادت ہوئی۔

☆☆☆

☆

آباءواجداد

شیخ امانت اللہ:

حق تعالیٰ کی اس خاندان پر خاص نظرِ عنایت رہی ہے، اور گزشتہ چند پشتوں سے اولیاء کا سلسلہ چلا آرہا ہے، چناں چہ آپ کے اجداد میں شیخ امانت اللہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحبِ نسبت اور نہایت باکرامت بزرگ تھے، ان کا تعلق حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ کے خانوادۂ تصوف سے تھا۔

حضرت والا قدس سرہٗ کے پردادا شیخ عبدالوہاب اپنے والد شیخ امانت اللہ کے کچھ احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> ''میں نے والد صاحب کو تین سانس سے زیادہ سوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، ہر تین سانس کے بعد ''اللہ اللہ'' کا ذکر زبان سے جاری ہوجاتا تھا۔ (معرفت الٰہیہ:ص/۲۲)

اس سے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے رگ وریشے میں نامِ الٰہی حد درجہ رچ بس گیا تھا، اور ذکرِ محبوب حقیقی سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ ہر وقت ذکرِ الٰہی اور یادِ خدا میں مست رہا کرتے، صرف حالت بیداری میں ہی نہیں بلکہ سونے کی حالت میں بھی دل اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا، کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ ذکراللہ سے قلب

معمور نہ ہو۔

اس کثرتِ ذکر سے ان کو اللہ تعالیٰ کا کیسا قوی تعلق حاصل تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جو معرفتِ الٰہیہ کے مقدمہ میں حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری علیہ الرحمہ کی روایت سے نقل ہے کہ:

''ایک بار کا قصہ ہے کہ حضرت کے والد صاحب کو کھیت میں آبپاشی کی ضرورت تھی، گاؤں والوں نے ان کے ساتھ بے مروتی کا معاملہ کیا، والد صاحب نے دادا صاحب سے ذکر کیا کہ لوگ پانی لینے کے لیے ہماری باری سے انکار کرتے ہیں، اور اتنا کہہ کر رو دیئے، دادا صاحب کا دل بیٹے کی اس کیفیت سے بہت متاثر ہوا اور سیدھے مسجد تشریف لے گئے، اور دعا شروع کردی، اور غلبۂ حال سے چیخ نکل گئی، چیخ کا نکلنا تھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور اس سے پہلے آسمان بالکل صاف تھا، پھر چند منٹ میں خوب تیز بارش ہوئی اور والد صاحب کا کام بن گیا''۔ (معرفتِ الٰہیہ: ص/۲۳)

مولانا عبد الغنی پھولپوری:

حضرت والا کے دادا جان حضرت اقدس شیخ المشائخ قطب الاقطاب مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نہایت اونچے درجے کے اولیا

میں شمار ہوتے تھے، فانی فی اللہ تھے، مقامِ حضوری پر فائز تھے، کثرتِ عبادت سے اکثر وبیشتر استغراقی کیفیت طاری رہتی تھی، ان کا شمار حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کے اجل خلفاء میں ہوتا تھا، ہندوپاک میں ان کی ذات سے بے شمار لوگوں کو روحانی نفع حاصل ہوا، اور حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے بعد معاصرین کے نزدیک مرجعیت حاصل ہوئی۔

حضرت پھولپوریؒ بڑے قانع اور متورع انسان تھے، ان کی پیدائش ضلع اعظم گڈھ کے موضع ''چھاؤں'' میں ہوئی، ابتدائی تعلیم موضع ''گمبھیر پور'' میں ہوئی، آپ پہلے دنیاوی تعلیم حاصل کررہے تھے؛ لیکن آپ کے دادا شیخ امانت اللہ قدس سرہٗ نے آپ کے والد شیخ عبدالوہاب صاحب قدس سرہٗ کو خواب میں ہدایت فرمائی کہ عبدالغنی کو دینی تعلیم دلاؤ!۔ اس خواب کے بعد ان کی تعلیم خالص دینی ہوگئی، عربی وفارسی کی تعلیم جونپور، کانپور، رامپور اور گلاؤٹی وغیرہ میں حاصل کیے، رامپور ہی میں تھے کہ علامہ فضل حق صاحب رامپوری کے پاس سیتاپور سے ایک صدر مدرس کی جگہ آئی، علامہ نے وہاں بھیج دیا، چوں کہ وہاں بدعت کا رواج زیادہ تھا، اس لیے سنت شعار طبیعت نے اس کو گوارہ نہیں کیا اور چھ مہینہ کے بعد استعفیٰ دے کر اپنے مادرِ علمی مدرسہ قرآنیہ جونپور میں پڑھانے چلے گئے، پانچ سال بعد ''مدرسۃ الاصلاح'' میں بانیانِ مدرسہ کے ساتھ مل کر مدرسہ کو ترقی دی، پھر حِسْبَۃً للہ اسی میں پڑھانے لگے، پھر بعض مصلحتوں کی وجہ سے وہاں سے

بھی مستعفی ہوگئے، اور اپنی قیام گاہ پھولپور میں ۱۳۳۳ھ میں ایک مدرسہ ''روضۃ العلوم'' کی بنیاد ڈالی، سولہ سال بعد ۱۳۴۹ھ میں قصبہ سرائے میر میں ایک دوسرے مدرسہ کی بنیاد ڈالی، جو ''بیت العلوم'' کے نام سے معروف ومشہور ہے، اور دینی خدمات کے حوالہ سے ملک وبیرون ملک میں جانا پہچانا جاتا ہے، آپ اخیر عمر تک نہایت اخلاص اور انابت الی اللہ کے ساتھ ان دونوں مدرسوں کی ذمہ داری سنبھالے رہے، پھولپور میں سالکین کے واسطے ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور اس میں ان کی تعلیم وتربیت میں مشغول ہوگئے، پھر تقسیم ہند کے بعد ۱۹۶۰ء میں ہجرت کرکے پاکستان چلے گئے اور وہیں ۱۹۶۳ء میں آپ کا انتقال ہوا، پاپوش نگر کراچی کا مدفن آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ ع:-

آسماں تیری لحد پے شبنم افشانی کرے

الحاج بابو ابوالبرکات صاحب پھولپوری:

آپ کے والد بزرگوار الحاج ابوالبرکات صاحب (چھوٹے بابو) اگرچہ مکمل عالم نہیں تھے؛ لیکن ایک تو فطری ذہانت وقابلیت، دوسرے گردوپیش میں علم ومعرفت ہی کا چرچا سننے اور دیکھنے کو ملتا، مزید برآں اپنی ذاتی محنت اور لگن سے تصوف اور مسائل کی بہت سی کتابیں پڑھ لی تھیں، ان تمام چیزوں نے آپ کی زندگی میں صالح انقلاب پیدا کیا، آپ کی ولادت غالباً ۱۹۳۷ء میں ہوئی، پرائمری کے بعد مدرسہ ''بیت العلوم'' میں حفظ میں داخلہ لیے، مگر چند پارہ

پڑھنے کے بعد تعلیم موقوف ہوگئی، ۱۳۳۳ھ میں حضرت پھولپوری نے اپنی قیام گاہ پھولپور میں حضرت تھانوی کے مشورہ سے ایک دینی درسگاہ قائم فرمایا تھا، آپ بہت دنوں تک اس مدرسہ کے انتظام وانصرام سے جڑے رہے۔

آپ اپنے آباء واجداد کی طرح فطرۃً بڑے مہمان نواز واقع ہوئے تھے، بیماری کی حالت میں بھی جو کوئی آپ کے پاس آتا خیر خیریت معلوم کرتے اور پوچھ پوچھ کران کی ضروریات کا انتظام فرماتے، نماز وروزہ کے پابند، ذکروشغل سے مانوس تھے، اخیر عمر میں آپ پر فالج کا اثر ہوااور تقریباً صاحب فراش ہوگئے اور دس سال تک معذوری کی حالت میں اپنی زندگی کے ایام گزار کر ۷ا رنومبر ۲۰۱۲ء کو شام ساڑھے سات بجے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب کاصفحہ ۲۳۵)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

تعلیم وتربیت

ابتدائی تعلیم:

حضرت کی پرائمری اور ابتدائی حفظ کی تعلیم پھولپور ''روضۃ العلوم'' میں ہوئی، اور حفظ کی تکمیل سرائے میر مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم میں ہوئی، دور کرنے کے لیے مدرسہ ''اشرف المدارس'' ہردوئی حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے پاس تشریف لے گئے، پھر مدرسہ بیت العلوم واپس تشریف لائے اور عربی وفارسی کی تعلیم شروع فرمادی، بیت العلوم میں آپ نے عربی پنجم تک کی تعلیم حاصل کی، مدرسہ بیت العلوم میں آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا مفتی محمد سجاد صاحب، حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب بکھراوی، مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب قاسمی کوئریاپاری، حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب مظاہری، حضرت مولانا عبدالرشید صاحب مظاہری، حضرت مولانا حافظ بخشیش احمد صاحب مظاہری اور حافظ فیروز احمد صاحب اعظمی قابل ذکر ہیں۔

حضرت اپنی تصنیف ''تذکارخیرالاخیار'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''بندہ پروروں، کرم گستروں، جواہر ریز اساتذہ کی پاکیزہ جماعت

اوّلاً قابل ذکر اس مادر علمی مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ کے استاذ، اتالیق ہیں، جس کے درودیوار، ماحول پرانوار تک سے خامہ گیر مکمل نو سال تک متمتع ہوتا رہا اور جہالت تاریکی میں علمی قندیلیں روشن کرتا رہا، یہ ہیں سرخیل اساتذہ استاذ خوش نہاد، ربّ الفقہ والارشاد حضرت مفتی محمد سجاد صاحب اور استاذ الاساتذہ ماہر فنون صادق علوم، مولانا عبدالقیوم صاحب بکھراوی دامت حسناتہما، ان قمرین، منیرین کے کوکبۂ علمی، دبدبۂ دینی کے جلو میں دیگر ارباب تدریس استاذان منفر چہ نویس نجوم دراستہ کی شکل میں درخشاں ہیں اور اپنے انھیں دونوں استادوں کے نقش پا، پر دیکھ دیکھ کر قدم رکھتے ہیں، جنھیں لوگ مولوی محفوظ الرحمٰن صاحب، ومولوی عبدالرشید صاحب کے نام سے ومولوی بخشیش صاحب ومولوی وحافظ فیروز احمد صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں، علاوہ ازیں بسیار مرد ماں سے بندہ کو شرف تلمذ حاصل ہے، یقیناً انھیں سب حضرات کی نیک دعائیں رقم طراز کے طائر ذہن کے لیے بال وپر ہیں‘‘۔(تذکار خیر الاخیار:۴۶-۴۷)

بیت العلوم کی طالب علمانہ زندگی:

حضرت نے عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت

العلوم سرائے میر میں حاصل کی، درسی کتابیں نہایت محنت اور لگن سے پڑھتے تھے، اور اپنے رفقائے درس میں ہر اعتبار سے ممتاز تھے، آپ کے مشفق استاذ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب مظاہریؔ ابتدائی تعلیم کے احوال لکھتے ہیں:

''عبداللہ پھولپوری اور ان کے رفقاء کا درس میرے پاس آیا اس سال درجہ فارسی میں ''تیسیری المبتدی حصہ اوّل گلزار دبستاں'' اور نصاب سے خارج کتاب ''حمد باری'' پڑھانے کا شرف حاصل ہوا''۔ (فیضان اشرف جنوری ۲۰۱۸ء ص ۸)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''مختلف سالوں میں ''تواریخ حبیبِ الٰہ، اخلاق محسنی، شرح مأۃ عامل، ہدایت النحو، روضۃ الادب، معلّم الانشاء، قدوری، شرح وقایہ، کبریٰ، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، نورالانوار اور ہدایہ اول'' کے اسباق بندہ کے پاس رہے، یہ زمانہ وہ گذرا جس میں بندہ نے ان کو بحیثیت ایک فائق تلمیذ دیکھا''۔ (فیضان اشرف جنوری ۲۰۱۸ء)

حضرت کی ذہانت وفطانت کے اکثر اساتذہ قائل تھے اور استعداد وصلاحیت نکھارنے میں ان حضرات نے بھرپور مدد کی۔

بیت العلوم کے رفقائے درس:

حضرت نے جب بیت العلوم میں ابتدائی تعلیم کا آغاز کیا، تو متعدد رفقاء شریک درس تھے اور اکثر عملی زندگی میں کسی نہ کسی حیثیت سے ضرور ممتاز ہوئے، ان میں سے چند حضرات یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا فریدالدین صاحب استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند۔

(۲) حضرت مولانا مفتی سفیان احمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مطلع العلوم بنارس، مجاز بیعت حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب نوراللہ مرقدہٗ۔

(۳) مولانا نیاز احمد صاحب اعظمی استاذ مدرسہ روضۃ العلوم پھولپور۔

(۴) مولانا حافظ امتیاز احمد صاحب مئوی، سابق استاذ شعبہ حفظ مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ۔

(۵) مولانا انعام اللہ صاحب بانی مدرسہ فیض العلوم گوشائین گنج، سلطان پور۔

(۶) مولانا کوثر صاحب کمراواں اعظم گڈھ سابق استاذ ریاض العلوم گورینی۔

(۷) مولانا عطاء اللہ بن کریم اللہ صاحب سلطان پور مقیم بمبئی۔

(۸) مولانا جمیل احمد صاحب اساڑھا اعظم گڈھ۔

(۹) مولانا نورالہدیٰ صاحب بستوی۔

(۱۰) حاجی فیروز احمد صاحب سموپور اعظم گڈھ۔ (فیضانِ اشرف جنوری: ۲۰۱۸ء ص ۸)

مظاہر علوم میں داخلہ:

عربی پنجم کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ''مظاہر علوم'' سہارنپور تشریف لے گئے، اور وہاں کے اکابر علماء سے کسب فیض کیا، ۲۱ سال کی عمر میں ۱۹ر شوال ۱۴۰۲ھ مطابق ۹ر اگست ۱۹۸۲ء میں آپ مظاہر علوم پہونچے اور مولانا محمد اللہ صاحب بن مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم ''مظاہر علوم'' کے پاس جلالین، ہدایہ اولین، مقامات حریری اور سلم العلوم کا امتحان دے کر عربی ہفتم میں داخلہ لیا، اپنی کتاب ''تذکار خیر الاخیار'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''بعدہ منہوم العلم نے سیرابی علم کی غرض سے ام المدارس ''جامعہ مظاہر علوم'' سہانپور کے درجہ علیا میں موقوف علیہ میں داخلہ لے لیا، پھر استدعاء واستعلام کی نیت سے چند مایہ ناز، قابل رشک استادان فن کے سامنے زانوے ادب تہہ کیا''۔ (تذکار خیر الاخیار: ۴۷)

عربی ہفتم کے اساتذہ:

عربی ہفتم میں آپ نے مشکوٰۃ شریف اور بیضاوی شریف حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب سے، ہدایہ ثالث، حضرت مولانا سید وقار علی صاحب بجنوری سے، ہدایہ رابع ''شرح نخبۃ الفکر'' مقدمہ مشکوٰۃ، سراجی حضرت مولانا

مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوری سے، مقدمہ جزریہ اور شاطبیہ وغیرہ حضرت مولانا قاری رضوان نسیم صاحب سے پڑھی''۔

آپ عربی ہفتم کے اساتذہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''استادالعلماء والمحدثین، شیخ سید وقارعلی صاحب دام مجدہ وجامع المعقول والمنقول شیخ مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوری دام علاہٗ، واستاذ حدیث وقرآن، مقرر شیریں بیان فائق الاقران سید سلمان صاحب دام شرفہ، وصدر القراء المقری مولانا رضوان نسیم صاحب دام جلالہ''۔(تذکار خیرالاخیار:۴۷)

نادر تعویذ کی اجازت:

جب حضرت مفتی صاحبؒ مظاہرعلوم میں زیرتعلیم تھے تو آپ کے والدمحترم جناب الحاج ابوالبرکات صاحبؒ مظاہرعلوم تشریف لے گئے، حضرت مولانا مفتی مجدالقدوس صاحب مدظلہ اُن کو لے کر فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفرحسینؒ کی خدمت میں دفتر اہتمام لائے، ملاقات کے دوران حضرت فقیہ الاسلامؒ کو معلوم ہوا کہ ابوالبرکات صاحبؒ کے پاس ایک نادر تعویذ ہے جو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ سے حاصل ہوا ہے، حضرت نے مفتی مجدالقدوس مدظلہ سے فرمایا کہ اِس تعویذ کی مجھے بھی اجازت دلواؤ! چناں چہ حضرت فقیہ الاسلامؒ کو ابوالبرکات صاحبؒ نے مخصوص تعویذ کی اجازت دے دی۔

فراغت:

۱۹۸۳ء میں آپ نے دورۂ حدیث شریف کا درس مکمل کیا، بخاری شریف اور مسلم شریف حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ سے، ترمذی شریف فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفرحسین صاحب ناظم مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور سے، ابوداؤد شریف حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب مدظلہ سے، طحاوی شریف حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب سے اور نسائی شریف حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب رائے پوری سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

خصوصی سند حدیث:

۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء میں جب آپ مظاہرعلوم سے فارغ ہورہے تھے تو حضرت مفتی مظفرحسین صاحبؒ سے خصوصی سند حدیث کی اجازت کی خواہش وفرمائش ظاہر کی، چنانچہ مفتی صاحبؒ نے اردو زبان میں (عام طور پر مفتی صاحبؒ کی اجازت حدیث کا متن عربی میں ہوا کرتا تھا) اجازت حدیث عنایت فرمائی۔

شعبہ افتاء:

۱۹۸۴ء میں تدریب فی الافتاء میں داخلہ لیا، اور الاشباہ والنظائر، شرح عقائد نسفی، رسم المفتی، درمختار جلد اول وجلد دوم پڑھ کر فقہ وفتاویٰ میں کمال اور علمی استعداد میں جمال پیدا کیا، (یہ تمام تفصیلات روداد مظاہرعلوم سہارنپور ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۴ء سے لی گئی ہیں)۔

دورطالب علمی:

آپ کے طالب علمی کا دورنہایت شاندار گزرا ہے،اپنے اساتذہ کی نظر میں باوقاراورمحبّ بن کررہے،حضرت مولانا مظفرحسین صاحب قدس سرہٗ آپ سے بے حد محبت فرماتے تھے،اور دیگراساتذہ بھی آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے،ساتھیوں میں ہر اعتبار سے ممتاز تھے،آپ کے درسی ساتھی حضرت مولانا مظفرالاسلام صاحب تھانوی استاذ مدرسہ مظاہرعلوم (وقف) بیان کرتے ہیں:

حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری اشرف المدارس ہردوئی، بیت العلوم سرائے میر،مظاہرعلوم سہارنپور،تینوں جگہ تمام ساتھیوں میں اس وجہ سے ممتاز رہے کہ آپ پڑھنے میں بے حد محنت کرتے تھے،مشکوٰۃ اور دورہ میں بطور خاص عبارت پڑھتے تھے، اور تقریر وتحریر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، اساتذہ کی نسبت کا ادب واحترام کرتے تھے‘‘۔

آپ کے استاذ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب مظاہری لکھتے ہیں:

’’الحمدللہ مدرسہ مظاہرعلوم کے اکابراساتذہ بالخصوص حضرت الاستاذ مفتی مظفرحسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ،حضرت شیخ محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ کرام کے منظورنظر ہوئے۔ (فیضانِ اشرف جنوری ۲۰۱۸ء)

مفتی مظفرحسین صاحبؒ سے عقیدت ومحبت:

حضرت کو اپنے اساتذہ بالخصوص حضرت مولانا مفتی مظفرحسین صاحب سے بے حد عقیدت ومحبت تھی، حضرت ان کو سرائے میر تشریف لانے کی بار بار دعوت دیتے تھے، خطوط بھی لکھتے تھے، ایک خط کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے لکھا: ’’سرائے میر تو میرا گھر ہے اور اپنے گھر کیلئے کوئی تاریخ نہیں دی جاتی‘‘۔

آخر کار ۱۴۰۷ھ میں آپ نے سرائے میر کا پہلا سفر فرمایا حضرت مولانا مفتی عبدالحسیب صاحب اعظمی فرماتے ہیں:

’’۱۴۰۷ھ میں جب مفتی صاحبؒ سرائے میر تشریف لے گئے تو پورے مدرسہ میں ایک ہلچل سی محسوس ہورہی تھی، میرے بڑے بڑے اساتذہ مفتی صاحب کی تشریف آوری پر فرحاں وشاداں تھے، مفتی صاحبؒ نے جب تقریر فرمائی تو میرے اساتذہ اسٹیج پر سامنے سرنگوں، ہمہ تن گوش، مؤدب بیٹھے تھے، میں چونکہ مفتی صاحبؒ سے اس وقت تک واقف نہ تھا لیکن اپنے اساتذہ کو مفتی صاحبؒ کا اس قدر ادب واحترام کرتے دیکھ کر ایک ہیبت اور عقیدت دل میں بیٹھ گئی تھی، چنانچہ یہی عقیدت بعد میں میرے مظاہر علوم آنے، داخلہ لینے اور پھر خدمت کرنے کا سبب بنی‘‘۔

حضرت اس کے بعد بھی مفتی مظفرحسین صاحب کو سرائے میر تشریف آوری کی دعوت دیتے رہے، چناں چہ ۱۹۹۳ء میں دوبارہ سرائے میر جانا طے ہوگیا لیکن بعض شر پسند عناصر نے حضرت فقیہ الاسلامؒ کے خلاف پوسٹر بازی

کردی، جس کے نتیجہ میں وقتی طور پر جانا موقوف ہوگیا پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد آپؒ وہاں تشریف لے گئے۔ایک بس بھر کر اساتذہ اور محبین کے ساتھ حضرت مفتی صاحب شاہ گنج ریلوے اسٹیشن استقبال کے لئے پہنچے اور بہ ہزار خوشی ومسرت حضرت فقیہ الاسلامؒ کو مدرسہ بیت العلوم لے آئے۔حضرت فقیہ الاسلامؒ نے ''الزام تراشی'' کے موضوع پر بڑا ہی عالمانہ، فاضلانہ سیر حاصل وعظ فرمایا۔

خورد وکلاں کے محبوب:

حضرت چھوٹے بڑے سب کے محبوب تھے، آپ ہر ایک کے ساتھ بڑے لطف ومحبت سے پیش آتے تھے، آپ خندہ روئی شیریں گفتار اور اخلاق کریمانہ سے سب کا دل جیت لیتے تھے، حضرت مولانا عبدالحسیب صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت مفتی محمد عبداللہؒ صاحب جس طرح اپنے سے چھوٹوں کے درمیان مقبول ومحبوب تھے اسی طرح بڑوں میں بھی محبت وعقیدت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب ڈمری اعظمی مدظلہ ایک بار دارالافتاء مظاہر علوم وقف سہارنپور تشریف لائے تو دوران گفتگو انہوں نے اپنے بارے میں بتایا کہ میں مفتی محمد عبداللہ پھولپوری کا استاذ ہوں لیکن پھر بھی میرا اصلاحی تعلق حضرت مفتی صاحب ہی سے ہے''۔

امتیازی نمبرات سے کامیابی:

آپ محنت کرنے اور لگن سے پڑھنے کی وجہ سے اچھے نمبرات سے پاس

ہوتے تھے، دورہ حدیث شریف میں آپ اوّل نمبر سے پاس ہوئے، بلکہ مظاہرعلوم کے ۱۹۸۳ء کے روداد کے اعتبار سے اپنی جماعت میں اعلیٰ نمبرات سے؛ بلکہ پورے مدرسہ میں تمام طلبہ سے زیادہ نمبرات سے کامیابی حاصل کی، اورانعام میں قیمتی کتابیں پائیں۔(تعلیمی رپورٹ مظاہرعلوم:۱۹۸۳ء)

دورہ کے مخصوص شرکاءدرس:

آپ کے دورہ کے متعدد ساتھی ہیں، ان میں سے چند حضرات یہ ہیں: (۱) حضرت مولانا مفتی سفیان احمد صاحب شیخ الحدیث مطلع العلوم بنارس (۲) مولانا سراج السالکین صاحب بھاگلپوری (۳) مولانا محی الدین صاحب جامی مرحوم ولد حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامی الہ آبادی (۴) حضرت مولانا مظفرالاسلام صاحب تھانوی استاذ مدرسہ مظاہرعلوم (وقف) سہارنپور (۵) حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مہتمم مدرسہ بدرالاسلام گڑھی دولت ضلع شاملی (۶) حضرت مولانا محمد شاہد صاحب شیخ پوری دارالعلوم اسعدیہ ایکڑخورد ضلع ہریدوار (۷) مفتی خبیب احمد صاحب رومی قاضی شہر آگرہ (۸) مولانا فریدالدین صاحب استاذ حدیث دارالعلوم (وقف) دیوبند (۹) مولانا محمد مظہر صاحب تھانوی (۱۰) مفتی ثناء اللہ صاحب سابق ناظم مدرسہ آزاد ڈھاکہ ضلع چمپارن (۱۱) مولانا محمد الیاس صاحب مظاہری ناظم جامعہ زکریا ڈھاکہ ضلع چمپارن وغیرہ۔

درس وتدریس

حضرت والا علیہ الرحمہ نے ۱۹۸۴ء میں تکمیل افتاء کیا،اس کے بعد ۱۹۸۵ء سے درس وتدریس کا آغاز فرمایا، آپ کی محنت وصلاحیت اور فطری استعداد ، صلاح وتقویٰ کو دیکھ کر حضرت مولانا مفتی مظفرحسین صاحب ناظم مظاہرعلوم نے آپ کو مظاہرعلوم میں مدرس رکھنا چاہا،لیکن آپ کے والد جناب حاجی ابوالبرکات صاحب نے کہا: ''حضرت مفتی صاحب! میرا یہی تو ایک لڑکا ہے،اگر آپ اسے یہاں رکھ لیں گے تو ہم لوگوں کا کیا بنے گا؟''۔

چنانچہ آپ وطن واپس چلے آئے اور اپنے جدامجد کے قائم کردہ ادارہ ''مدرسہ بیت العلوم'' کو اپنا تعلیمی اور روحانی مرکز بنایا، مدرسہ بیت العلوم میں آپ نے عربی متوسطات سے تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا اور چھوٹی بڑی کتابیں پڑھاتے ہوئے رفتہ رفتہ افتاء اور شیخ الحدیث کی مسند تک پہنچے اور ملک وبیرون ملک میں شیخ الحدیث، پیرطریقت اور عظیم مصلح کے نام سے مشہورومعروف ہوئے اور آخری عمر تک اسی مدرسہ کو ترقی دیتے رہے، آج یہ مدرسہ آپ کے ۳۲ سالہ شب وروز کی محنت سے ایک عظیم دینی وروحانی درس گاہ بن چکا ہے۔

حضرت مولانا عبدالرشید صاحب مظاہری لکھتے ہیں:

وہاں سے تکمیل علوم کے بعد مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم میں شوال ۱۴۰۵ھ میں تقرری عمل میں آئی، اور حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری کے امین ومعتمد تھے، انھوں نے شعبان ۱۴۰۵ھ میں اپنی وفات کے قریب بہ وقت ملاقات (بروایت مفتی محمد عبداللہ صاحب) یہ کہہ کر اب تک میں نے امانت کو سنبھالا اب آپ کی ذمہ داری میں ہے، چنانچہ شوال میں عربی متوسطات تک کے اسباق حضرت مفتی صاحب کے حوالہ ہوئے۔(فیضانِ اشرف جنوری ۲۰۱۸ء)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

تصوف اور اہل تصوف

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی دینی خدمات میں نمایاں ترین شعبہ تصوف وسلوک کی خدمت اور سلسلۂ تھانوی کی اشاعت ہے۔

لوگوں کی اصلاح وتربیت کرنا اور ایسے رجال کار تیار کرنا جو دنیاوی تلویثات سے پاک ہوں، آپ کی زندگی کا سب سے اہم مشن تھا۔ہم یہاں تصوف اور اہل تصوف کی ضرورت واہمیت پر قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں:

دین میں تصوف کی ضرورت:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے، جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے، ولادت سے لیکر موت تک ہر ہر موڑ پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، دوستی، دشمنی، خرید وفروخت، اخلاق ومعاملات ایک ایک عمل میں ''صراط مستقیم'' پر چلاتا ہے، لیکن ان اعمال کے اندر حقیقت اسی وقت پیدا ہوگی جب اخلاص اور احسان کے ساتھ کیا جائے گا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے نہایت ایجاز وبلاغت کے ساتھ شریعت اسلامی کا مکمل تعارف کرایا ہے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

وَمُعْظَمُ مَادَعَتْ إِلٰى اِقَامَتِهِ الرُّسُلُ اُمُوْرٌ ثَلٰثَةٌ. (۱) تَصْحِيْحُ الْعَقَائِدِ فِى الْمَبْدَأ وَالْمَعَادِ. وَالْمَجَازَاةِ وَغَيْرِهَا، وَقَدْ تَكَفَّلَ بِهٰذَا الْفَنِّ اَهْلُ الْاُصُوْلِ مِنْ عُلَمَاءِ الْاُمَّةِ شَكَرَ اللّٰهُ مَسَاعِيَهُمْ. (۲) تَصْحِيْحُ الْعَمَلِ فِى الطَّاعَاتِ الْمُقَرَّبَةِ وَالْاِرْتِفَاقَاتِ الضَّرُوْرِيَّةِ عَلٰى وَفْقِ السُّنَّةِ، وَقَدْ تَكَفَّلَ بِهٰذَا الْفَنِّ فُقَهَاءُ الْاُمَّةِ فَهَدَى اللّٰهُ بِهِمْ كَثِيْرِيْنَ وَاَقَامَ بِهِمْ فِرَقَةً عِوَجَاءَ. (۳) تَصْحِيْحُ الإِخْلَاصِ وَالإِحْسَانِ اَلَّذَيْنِ هُمَا اَصْلاً الدِّيْنِ الْحَنِيْفِيِّ اَلَّذِىْ اِرْتَضَاهُ اللّٰهُ لِعِبَادِهِ:

(تفهيمات الهبة: ج/ ا ص/ ۷)

اور حضرات انبیاء علیہم السلام نے جن امور کی اقامت کی جانب دعوت دی ہے ان میں اہم تین امور ہیں (۱) مبدأ، معاد، نیز جزا وسزا وغیرہ کے متعلق عقائد کی تصحیح کرنا اس فن کی ذمہ داری علمائے امت میں سے اہل اصول یعنی متکلمین پر ہے، اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے، خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والی طاعات اور ضروری معاملات وارتفاقات کے سلسلے میں سنت کے مطابق عمل درآمد کی تصحیح، اس فن کی کفالت فقہاء امت نے کی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو ہدایت بخشی اور ان کے واسطے سے بہت سے کج رو فرقے کو درست کیا۔ اخلاص اور احسان کی تصحیح کہ یہی دونوں دین حنیف کی بنیاد ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے۔

پھر تیسرے امر کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ ھٰذَا الثَّالِثُ اَدَقُّ الْمَقَاصِدِ الشَّرْعِیَّةِ مَأْخَذًا وَاَعْمَقُھَا مَحَدًّا وَھُوَ بِالنِّسْبَةِ إِلٰی سَائِرِ الشَّرَائِعِ بِمَنْزِلَةِ الرُّوْحِ مِنَ الْجَسَدِ وَبِمَنْزِلَةِ الْمَعْنٰی مِنَ اللَّفْظِ. وَقَدْ تَکَفَّلَ بِہٖ الصُّوْفِیَّةُ رِضْوَانُ اللهِ عَلَیْھِمْ فَاھْتَدَوْا وَھَدَوْا وَاسْتَقَوْا وَسَقَوْا وَفَازُوْا بِالسَّعَادَةِ الْقُصْوٰی حَازُوْا السَّھْمَ الْاَعْلٰی فَلِلّٰہِ دَرُّھُمْ مَا اَعَمَّ نَفْعُھُمْ وَاَتَمَّ نُوْرُھُمْ. (تفھیمات الھیة: ج/۱ ص/۷)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ تیسرا امر مقاصد شرعیہ میں سب سے دقیق اور سب سے گہرا ہے، بہ نسبت اور دوسرے تمام احکام کے، یہ ایسا ہے جیسے بدن کے لئے روح اور لفظ کے لئے معانی، اس اہم مقصد کی کفالت حضرات صوفیہ نے کیا۔ پس وہ خود راہ یاب ہوئے اور دوسروں کو بھی راہ پر لگایا، خود سیراب ہوئے اور دوسروں کو بھی سیراب کیا۔ اور انتہائی سعادت سے سرفراز ہوئے اور اعلیٰ مقصد پر فائز ہوئے اور بڑا نصیبہ پایا اللہ ہی کیلئے ان کی خوبیاں ہیں، ان کا نفع کسقدر عام اور ان کا نور کتنا تام ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اخلاص اور احسان ایسی چیز ہے کہ جملہ اعمال وعبادات اس کے بغیر بے کار ہیں، ان کی

حیثیت ہی نہیں رہ جاتی، بغیر اخلاص واحسان کے وہ ایسا ہے جیسے جسم بغیر روح کے، اور جیسے کہ الفاظ تو خوب خوشنما ہوں مگر معانی ندارد، یعنی عمل، اخلاص و احسان کی روح کے بغیر مردہ اور علم بے معنی اور مہمل! اکبرالہ بادی نے کتنی اچھی بات کہی ہے: ع:-

شریعت سر جھکانا ہے، طریقت دل لگانا ہے

آج اسی اخلاص اور احسان کے فقدان کی وجہ سے سر تو ہزار ہا جھکتے رہتے ہیں، لیکن دل بھی لگا ہوا ہو، یہ خال خال ہوتا ہے، دور دور تک نظر ڈالتے چلے جایئے شاید باید سر جھکنے کے ساتھ ساتھ دل بھی لگا ہوا ہوتا ہے، تصوف اسی سر جھکانے کی کیفیت کو ترقی دے کر دل لگانے کی منزل تک پہونچنے کی جان توڑ جدوجہد کا نام ہے، اگر آپ پورے دین اور پوری شریعت پر غائرانہ نظر ڈالیں تو اصولی طور پر شریعت پانچ اجزاء پر مشتمل نظر آتی ہے، اگر ان اجزاء میں سے کوئی جزء بھی فوت ہوا تو دین ناقص ہوجائے گا شریعت کی پیروی کے لئے ضروری ہے کہ ان پانچوں پر مضبوطی سے عمل کیا جائے۔ حکیم الامت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''غور سے سن لیجئے، دین کے پانچ اجزا ہیں، ایک جزء تو عقائد کا ہے کہ دل سے اور زبان سے اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے جس چیز کی خبر دی ہے وہی حق ہے۔ دوسرا جزء عبادات ہیں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ تیسرا جزء معاملات ہے یعنی احکام نکاح وطلاق، حدود کفارات، بیع وشراء

اجارہ وزراعت وغیرہ اور ان کے جزء دین ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریعت یہ سکھلاتی ہے کہ کھیتی یوں بویا کرو اور تجارت فلاں فلاں چیز کی کرو، بلکہ ان میں شریعت یہ بتاتی ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرو، زیادتی نہ کرو اور اس طرح معاملہ نہ کرو، جس میں نزاع اور جھگڑے کا اندیشہ ہو، غرض جواز وعدم جواز کا بیان کیا جاتا ہے۔ چوتھا جزء معاشرت ہے، یعنی اٹھنا بیٹھنا، ملنا، جلنا، مہمان بننا، کسی کے گھر پر جانا کیونکر چاہئیے اس کے کیا آداب ہیں، بیوی، بچوں، عزیزوں، اجنبیوں اور نوکروں وغیرہ کے ساتھ کیونکر برتاؤ چاہئیے۔ پانچواں جزء تصوف ہے جس کو شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں، آج کل لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تصوف کے لئے بیوی، بچوں کو چھوڑنا پڑے گا یہ بالکل غلط ہے یہ جاہل صوفیوں کا مسئلہ ہے جو تصوف کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ غرض دین کے پانچ اجزاء ہیں۔ ان پانچوں کے مجموعہ کا نام دین ہے، اگر کسی میں ایک جزء بھی ان میں سے کم ہو تو وہ ناقص دین ہے''۔ (بصائر حکیم الامت: ص ۸۴)

تصوف اور اصلاح نفس:

جب یہ معلوم ہوگیا کہ تصوف جسے ہم اصلاح نفس بھی کہتے ہیں، دین کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے، وہ بھی ایسا جزء کہ اور تمام اجزاء کے لئے تکمیل وتزئین، تو اگر اس اہم جزء کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور نفس کی اصلاح کی فکر دامن گیر نہیں ہوئی، تو اور دوسرے اعمال کا کیا حال ہوگا؟

محتاج بیان نہیں، سب اعمال نفس کی تلویثات کی وجہ سے تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں گے، دین ناقص رہ جائے گا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا. (سورۃ الشمس: ۱۰) جس نے نفس کو پاک کرلیا وہ کامیاب اور جس نے اس کو خراب کرلیا وہ ناکام ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ انسانی وجود کے بننے بگڑنے میں نفس کا کچھ زیادہ دخل ہے، اگر نفس سنور گیا تو انسان کا پورا وجود بن گیا اور اگر یہی بگڑ گیا تو ہلاکت کے دہانے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

نفس تو انسان کو ہمہ وقت برائی پر ابھارتا رہتا ہے، فساد و بگاڑ تو نفس کے خمیر میں داخل ہے، لیکن اگر اسے فساد و بگاڑ سے دور رکھا جائے اور تزکیہ وطہارت کا خوگر بنالیا گیا تو اس کے اندر نیکی اور پاکیزگی کی استعداد وصلاحیت پیدا ہوجائے گی اور وہ جنت میں جانے کے قابل ہوجائے گا۔ ہندو پاک کے مشہور بزرگ شیخ نصیرالدین چراغ دھلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''نفس آدمی بمنزلہ درختیست کہ بمدد ہوائے شیطانی در ذات ایں کس بیخ می گیرد ومحکم می شود اگر آدمی بتدریج وسکونت بزور عبادت وتقویٰ وبقوت محبت وعشق ہر روز آن درخت را بجنباند ہر آئینہ بیخ اوسست شود، وقابل قلع گردد'' (نظام تعلیم وتربیت: ج ۲ ص ۱۱۵)

آدمی کا نفس ایک درخت کی طرح ہے شیطانی خواہش کی مدد سے اس

میں بیج پڑتا ہے اور پھر وہ درخت مضبوط ہو جاتا ہے اگر انسان آہستہ آہستہ سنجیدگی سے عبادت وتقویٰ کے زور اور محبت وعشق الٰہی کی قوت سے روزانہ اس درخت کو ہلاتا رہے گا تو یقیناً وہ سست پڑ جائے گا، اور اکھاڑنے کے قابل ہو جائے گا۔

اب ضرورت ہے کہ نفس کے اس درخت کو عبادت وریاضت کا پابند بنا کر اس میں ذکر الٰہی کا ذوق وشوق پیدا کر کے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے، کیوں کہ دین کی تکمیل کا مدار اصلاح نفس پر ہے، جزء دین ہونے کی حیثیت سے بھی، اور دوسرے اجزاء دین کی تکمیل کی حیثیت سے بھی۔

شیخ طریقت اور اس کی ضرورت:

دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ کسی فن کو حاصل کرنے کے لئے اس فن میں ماہر اور حاذق کا ہونا ضروری ہے، اور اسی کے پاس اس فن کو حاصل کیا جاتا ہے، طالب علم کسی استاد سے ہی علم حاصل کر سکتا ہے قانون کسی قانون داں سے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے، سائنسی تحقیق کسی سائنس کا علم رکھنے والے کے پاس ہی ہو سکتی ہے۔

الغرض یہ مسلم بات ہے کہ ہر فن میں صاحب علم کا ہونا ضروری ہے، جس سے وہ فن سیکھا جا سکے، اسی طرح تصوف اور اصلاح نفس کے لئے کسی ماہر کا ہونا ضروری ہے جو اس کے مالہ اور ماعلیہ سے واقف ہو، نفس کے مکائد اور اس کی بیماریوں کو خوب جانتا ہو، شریعت سے بھی آگاہ ہو، ایسے شخص کو تصوف کی

اصطلاح میں ’’شیخ‘‘ یا ’’پیر‘‘ کہا جاتا ہے اور یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ آدمی از خود اپنی اصلاح نہیں کرسکتا، اس کے لئے کسی شیخ کامل کا ہونا ضروری ہے، تاکہ سالک مطمئن ہوکر اس کی صحبت وتعلیم سے عبادت وریاضت، تقویٰ وطہارت کی راہ طے کرسکے، حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

’’نفس میں بعض خفیہ امراض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بدوں تنبیہ شیخ محقق عارف کے سمجھ میں نہیں آتے، اور اگر سمجھ میں بھی آجاتے ہیں تو ان کا علاج سمجھ نہیں آتا، اور جو معلوم ہوتا ہے تو نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے، ان ضرورتوں سے ’’پیر کامل‘‘ تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے ان کا علاج وتدبیر بتاتا ہے، کیوں کہ خود اپنی حالت کا سمجھنا آسان نہیں ہوتا اور شیخ کو بصیرت ہوتی ہے‘‘۔ (شریعت اور طریقت: ص/۶۰)

شیخ کامل کی پہچان:

اب اگر سالک اپنی اصلاح کے لئے کسی شیخ محقق کا طالب ہے تو اس کو یہ جان لینا ضروری ہے کہ میرے حق میں کون زیادہ مفید ہوگا، اس باب میں عجلت نہ کرے، حدیث میں آتا ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلرَّجُلُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ.

(ابوداؤد:٤٨٣٣ وترمذی:٢٣٧٨)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے دین اور طریقے پر ہوتا ہے تو اسکو دیکھ بھال لینا چاہیئے کہ کس کے ساتھ دوستی کرے۔

معلوم ہوا کہ تلاش مرشد میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے ، ہر شخص اس لائق نہیں ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا جائے ، اگر خدانخواستہ پیر کا حال بہتر نہیں ہے تو اس کے حال کی خرابی مرید میں بھی سرایت کر جائے گی ، اسی لئے حضرات مشائخ نے کامل شیخ کی کچھ علامات ذکر کی ہیں، جن کو دیکھ کر شیخ کامل کو پہچانا جا سکتا ہے، حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ نے ان علامات کو اس طرح ذکر کیا ہے۔

(۱) علم شریعت سے بقدر ضرورت واقف ہو، خواہ تحصیل سے ہو، خواہ صحبت علماء سے تاکہ فساد عقائد و اعمال سے محفوظ رہے، اور طالبین کو بھی محفوظ رکھ سکے۔

(۲) عقائد، اخلاق و اعمال میں شرع کا پابند ہو۔

(۳) تارک دنیا، راغب آخرت ہو، ظاہری، باطنی طاعات پر مداومت رکھتا ہو۔

(۴) کمال کا دعوی نہ کرتا ہو، کیوں کہ یہ بھی شعبۂ دنیا ہے۔

(۵) بزرگوں کی صحبت اٹھائی ہو اور ان سے فیوض و برکات حاصل کیئے ہوں۔

(۶) تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو، اور ان کی بری بات سنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔

(۷) جو لوگ اس سے بیعت ہوں ان میں سے اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع و قلت حرص دنیا کے اچھی ہو۔

(۸) اس زمانہ کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

(۹) بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم و دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔

(۱۰) اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔

(۱۱) خود بھی ذاکر شاغل ہو، کیوں کہ عمل یا عزم عمل کے بغیر تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔

(۱۲) مصلح ہو، نرا صالح ہونا کافی نہیں، شیخ ہونے کے لئے دونوں کے جمع کی ضرورت ہے کہ صالح بھی ہو مصلح بھی ہو، تا کہ جو مرض باطنی بیان کرے اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے، اور جو علاج تجویز کرے اس سے دم بہ دم نفع ہوتا چلا جائے، اور اس کے اتباع کی بدولت روز بروز حالت

درست ہوتی جائے۔(شریعت وطریقت:ص۵۸-۵۹)

ان تمام علامتوں کے دیکھنے کے بعد پھر کسی اور چیزوں کے درپے نہ ہو، کیوں کہ وہ مقصود نہیں ہیں، وہ چیزیں کیا ہیں؟ اس کو بھی حضرت تھانویؒ ہی کی زبانی سنتے چلئے:

’’جس شخص میں یہ علامات ہوں تو پھر یہ نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت صادر ہوتی ہے یا نہیں! یا یہ شخص صاحب تصرفات ہے یا نہیں، یا اس کو کشف ہوتا ہے یا نہیں، یا یہ جو دعا کرتا ہے قبول ہوتی ہے یا نہیں، کیوں کہ یہ امور لوازم مشیخیت یا ولایت سے نہیں ہے، اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے لوگ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں یا نہیں، کیوں کہ یہ بھی لوازم بزرگی میں سے نہیں ہے، اصل میں یہ ایک نفسانی تصرف ہے جو مشق سے بڑھ جاتا ہے، یہ کام غیر متقی بلکہ غیر مسلم بھی کرسکتا ہے، اور اس سے چنداں نفع نہیں ہے، کیوں کہ اس کے اثر کو بقاء نہیں ہوتا، صرف مرید غبی کے لئے جو ذکر سے اصلاً متاثر نہ ہوتا ہو چندروز تک شیخ کے اس عمل سے اس میں ایک گونہ تاثر وانفعال وقبول آثار ذکر کا پیدا ہوجاتا ہے، یہ نہیں کہ خواہ مخواہ لوٹ پوٹ ہی ہو

جاوے۔ (قصد السبیل: ص/۶)

بہر حال جب ایسے جامع صفات، کامل الاحوال مرشد کو پالے، اور مناسبت بھی ہوجائے گو کہ عقلی ہو، تو غنیمت جان کر ہاتھ میں ہاتھ دے دے، اور لگ لپٹ کر مردہ بدست زندہ ہوکر اپنی اصلاح کرالے، اس میں کمی کوتاہی ہرگز روا نہ رکھے، اس کی صحبت کو لازم پکڑ لے اور پوشیدہ طور پر آہستہ آہستہ اپنے اندر اخلاق حمیدہ کو جذب کرتا رہے، بالآخر وہ اعلیٰ درجہ کا صاحب اخلاق بن جائے گا، اسے کمال حاصل ہوتا چلا جائے گا۔

اخلاق صوفیہ:

سالک جب اصلاح کی راہ سے تکمیل تک پہونچ جاتا ہے تو تدریجاً بالآخر وہ صاحب اخلاق ہوجاتا ہے، اور اپنے کو ''اخلاق حمیدہ'' سے مزین کرلیتا ہے، وہ ''اخلاق حمیدہ'' کون کون ہیں؟

اس سلسلے میں قطب عالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر پیش کردینی مناسب ہے، وہ تحریر اصلاً تو عربی زبان میں ہے لیکن ہم اس کے ترجمے پر اکتفاء کرتے ہیں، جن کو اصل دیکھنا ہو وہ تذکرۃ الرشید میں ملاحظہ فرمالیں۔

صوفیوں کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ ﷺ کے اخلاق ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' کہ یقیناً آپ

بڑے اخلاق کے مرتبے پر فائز ہیں، اور جو کچھ حدیث میں آیا ہے اس پر عمل کرنا، اوران کے اخلاق کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اپنے آپ کو کمتر سمجھنا، اس کی ضد تکبر ہے۔

(۲) مخلوق کے ساتھ لطف ومہربانی کے ساتھ پیش آنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا۔

(۳) نرمی اور خوش خلقی کے ساتھ معاملہ کرنا، غیظ وغضب سے بچنا۔

(۴) ہمدردی اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا، مخلوق پر فرط شفقت کی وجہ سے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے نفسانی خواہشات پر مقدم رکھا جائے۔

(۵) درگزر کرنا اور خطا کو معاف کرنا۔

(٦) خندہ روئی اور بشاشت جسم اختیار کرنا۔

(۷) سہولت اور نرم پہلو رکھنا۔

(۸) سخاوت کرنا۔

(۹) تصنع اور تکلف کو چھوڑ دینا۔

(۱۰) اور خرچ بلا تنگی اور اسراف کے کرنا۔

(۱۱) خدا پر بھروسہ رکھنا۔

(۱۲) تھوڑی دنیا پر قناعت کرنا۔

(۱۳) پرہیز گاری اختیار کرنا۔

(۱۴) جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر کسی حق کی بنیاد پر۔

(۱۵) بغض و کینہ اور حسد نہ رکھنا۔

(۱۶) مال و جاہ کا خواہش مند نہ ہونا۔

(۱۷) وعدہ کی پابندی کرنا۔ (۱۸) بردباری اپنانا۔

(۱۹) دور اندیشی، بھائیوں کیساتھ موافقت و محبت رکھنا اور اغیار کے ساتھ علیحدگی اختیار کرنا۔

(۲۰) محسن کی شکر گزاری اور جاہ کا مسلمانوں کے فائدے کے لئے استعمال کرنا۔

صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بناتا ہے، اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے، بارگاہ احدیت کا ادب، اور حق تعالیٰ کے جلال و ہیبت کی وجہ سے از روئے حیا ماسویٰ اللہ سے اعراض کرنا، حدیث نفس بدترین معصیت اور ظلمت کا سبب ہے۔ (تذکرۃ الرشید: ج۲/ص۱۱)

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان اخلاق فاضلہ سے سنورنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بیعت وسلوک

اصلاحی تعلق:

آپ وقت کے ایک عظیم مصلح تھے، آپ کا اصلاحی تعلق محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی حقی نوراللہ مرقدہٗ سے تھا، انھیں سے اجازت بیعت بھی حاصل ہوئی، آپ حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ سے بے لوث محبت کرتے تھے، جب تک وہ باحیات رہے کثرت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، اپنے ذاتی احوال اور مدرسہ کے معاملات میں ان سے مشورہ لیتے اوران کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتے، آپ اصلاح وتربیت میں ہوبہو حضرت ہردوئی کا عکس جمیل تھے، کہنے والوں کا کہنا ہے:

> اصلاح وتربیت، تزکیہ وتخلیہ، نہی عن المنکر، عوامی طرز کا عام فہم خطاب آپ بہت حد تک حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ کی طرح کرتے تھے، نشست وبرخاست، پسند وناپسند ہر چیز میں شیخ ہردوئی کا عکس نظر آتا ہے، جی چاہتا ہے کہ حضرت کو ''آئینہ محی السنہ'' کہا کروں، جو وہاں نظر آتا تھا، اب بعینہٖ حضرت مفتی

صاحب کے یہاں بھی دکھائی دیتا ہے"۔

حضرت زمانۂ طالب علمی ہی میں عربی پنجم کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے بیعت ہوگئے تھے، اور وقتاً فوقتاً ہردوئی تشریف بھی لے جاتے تھے، حضرت ہردوئی علیہ الرحمۃ بھی گاہے بہ گاہے پھولپور تشریف لاتے تھے۔حضرت نے ایک سفر کی روداد اپنی ڈائری میں لکھا ہے:

کل بحمدہٖ سبحانہٗ بتاریخ ۲۸؍شعبان ۱۴۰۹ھ بذریعہ کسان ایکسپریس بعافیت ہردوئی رسائی ہوئی، اس سفر میں حافظ وسیم احمد، بھائی عبدالقیوم صاحب اور حافظ مشتاق محمد پوری کی رفاقت میسر رہی، پہونچتے ہی حضرت والا سے معانقہ وملاقات کا شرف ملا، اور حضرت اقدس کے چہرۂ مبارک پر مسرت اور خوشی بھی محسوس ہوئی، قیام گاہ مہمان خانہ قدیم طے ہوا، سبھی لوگ وہاں فروکش ہوگئے۔ (ذاتی ڈائری حضرت والاؒ: ص۱)

حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ:

حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے ہنگامہائے دنیا سے یکسو ہوکر قدیم بزرگوں کے طرز پر تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دین وملت اور افراد سازی کا جو عظیم الشان کام انجام دیا ہے وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

تھانہ بھون کی خانقاہ میں علم ومعرفت کے ایک سے بڑھ کر ایک آفتاب

وماہتاب پرورش پائے، انھیں میں سے محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی ہردوئی علیہ الرحمہ بھی ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی ولادت ۲۰؍دسمبر ۱۹۲۰ء کو ہوئی، حفظ قرآن کے بعد ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں دس سال کی عمر میں مظاہر علوم میں عربی اول میں داخلہ لیے، اور دوسال دورہ پڑھ کر ۱۳۵۶ھ میں مظاہر علوم سے سند فراغت حاصل کی، دوسال تک مظاہر علوم ہی میں معین مدرس رہے، پھر دوسال تک جامع العلوم کانپور میں تدریسی خدمات انجام دی، اس کے بعد اپنے وطن ہردوئی میں ’’اشرف المدارس‘‘ کے نام سے ۱۳۶۲ھ میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، اور تاحیات اسی مدرسہ میں رہ کر دین وملت کی خدمت کرتے رہے۔

حضرت شاہ صاحب نے طویل عمر پائی اور اپنی زندگی کو دین کی خدمت میں صرف کیا، ہندوپاک اور بنگلہ دیش میں آپ کی خدمات کا دائرہ پھیلا ہوا ہے، منکرات کی اصلاح اوران پر نکیر میں ان کی ایک خاص شان تھی وہ نہایت نرم لہجہ اور شیریں طرز ادا میں لوگوں کی اصلاح فرماتے تھے، عبادات ومعاملات اور معاشرات بلکہ زندگی کے تمام اعمال میں وہ سنن ومستحبات کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔

قرآن کریم کی تصحیح قراءت کا حضرت کے یہاں بہت اہتمام تھا، اس کے لیے انھوں نے نورانی قاعدہ کی تعلیم کا باقاعدہ نظام بنایا تھا، ان کے یہاں نظم وتربیت کا بھی بڑا اہتمام تھا، اس نظم وترتیب کا فائدہ یہ ہوا کہ آپ سے بہت کام ہوا، کام کی

کثرت کے باوجودان کی خدمت میں آنے جانے والا ان کی توجہ، تعلیم وترتیب اور ضروری تنبیہ وہدایت سے محروم نہیں رہتا تھا، مہمانوں کی دیکھ ریکھ بہ نفس نفیس کرتے تھے، صفائی ستھرائی، سلیقہ اورحسن انتظام یہ سب مولانا کی فطرتِ ثانیہ تھی۔

مولانا پر برین ہیمرتیج کا حملہ ہوا اور ۸ ربیع الآخر مطابق ۱۷ مئی ۲۰۰۵ء بروز منگل گلشن تھانوی کا یہ آخری عندلیب بھی ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ سے عقیدت ومحبت:

حضرت محسن الامت علیہ الرحمہ اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا ہردوئی علیہ الرحمہ سے بے حد عقیدت ومحبت رکھتے تھے، جو روحانی دولت اپنے شیخ سے پائے تھے اس بنیاد پر اپنا سب کچھ ان پر قربان کرنے کا جذبہ رکھتے تھے، اور فنائیت کی حد تک ان پر شیدا تھے، مجلسوں میں اکثر ان کا تذکرہ کرتے رہتے تھے، اپنی تقریروں میں ان کی باتیں نقل فرماتے ان کے حسنِ انتظام کی بڑی تعریف کرتے تھے، ایک دفعہ فرمایا کہ دادا جان نے حضرت ہردوئی کے نظم وترتیب کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اگر مولانا ابرارالحق صاحب کو ملک چلانے کے لیے دیدیا جائے تو بحسن وخوبی اس کا نظام سنبھال لیں گے۔

۲۰۰۵ء میں محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق ہردوئی علیہ الرحمہ کے انتقال پر جب جانشین فقیہ الاسلام حضرت مولانا محمد سعیدی ناظم مظاہر علوم

(وقف) سہارنپور کے حکم وایماء پر ماہنامہ آئینۂ مظاہرعلوم سہارنپور کا خصوصی شمارہ ''محی السنۃ نمبر'' کی اشاعت کی تیاری شروع ہوئی تو حضرت مولانا مفتی محمد ناصر صاحب مظاہری نے حضرت مفتی صاحبؒ کوفون پر اطلاع دی، بہت خوش ہوئے اورفرمایا کہ پانچ سوشمارے میرے لئے مختص کر دیا جائے۔

☆☆☆☆☆
☆☆☆
☆

مدرسہ بیت العلوم

اور انتظام وانصرام

شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری یادگار ''مدرسہ بیت العلوم'' سرائے میر ہے، یہ مدرسہ ۴؍ربیع الاوّل ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں قائم ہوا اور آج تک مسلسل دین اور علم دین کی خدمت کرتا چلا آرہا ہے، اس بافیض درس گاہ سے ہزار ہا علماء، فضلاء زیور علم سے آراستہ ہوکر اکناف عالم میں مصروف عمل ہیں، پہلے یہ بہت مختصر تھا، محدود اساتذہ اور تقریباً دوسو طلبہ پڑھتے تھے، یہاں کے پڑھے ہوئے طلبہ عموماً نیک اور دین دار ہوتے ہیں، آپ جب مدرس بن کر یہاں تشریف لائے، تو یہ چمک دمک اور رونق نہیں تھی، جو آج نظر آرہی ہے، یہ سب حضرت کے آنے کے بعد ہوا۔

حضرت والا علیہ الرحمہ اور مدرسہ کی ذمہ داریاں:

حضرت والا علیہ الرحمہ اپنی ہمہ گیر صلاحیت اور حسنِ کارکردگی کی وجہ سے بہت جلد اربابِ انتظام کے معتمد بن گئے، اور پے در پے مدرسہ کی

ذمہ داریاں آپ کے کاندھوں پر آتی چلی گئیں۔

حضرت کی پوری زندگی حضرت مولانا عبدالرشید صاحب مظاہری کے سامنے گذری ہے، وہ حضرت کی ذمہ داریوں کے متعلق تفصیل سے لکھتے ہیں:

مزید براں مفتی محمد عبداللہ صاحب کے ذمہ ذمہ دارانِ مدرسہ نے فتاویٰ کی ذمہ داری بھی رکھی، جو ذمہ داری اس سے قبل حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے کاندھوں پر تھی۔

بندہ تو درس کے ساتھ ناظم دارالاقامہ کی حیثیت سے پہلے سے خدمت انجام دے رہا تھا، حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب بکھراوی رحمۃ اللہ علیہ نے نظم تعلیم سے استعفاء دیا تو ۱۰/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ کو بندہ کو ناظم تعلیمات تجویز کیا گیا، میری عدم موجودگی میں مولانا عبدالظاہر صاحب ان کے بھی نہ ہونے پر مفتی محمد عبداللہ صاحب کے ذمہ یہ کام رکھا گیا، اس طرح میں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت اقدس مفتی محمد عبداللہ صاحب نظم تعلیمات میں بندہ کے رفیق ہوئے، اسی مجلس میں یہ بھی طے ہوا کہ مولانا محمد سالم صاحب سیدھاوی حسب سابق کارہائے نیابت نظامت انجام دیں گے، ان کی عدم موجودگی میں مفتی محمد عبداللہ صاحب اوران کی بھی عدم موجودگی میں نیابت نظامت بندہ عبدالرشید کے حوالہ ہوئی، اس طرح ایک وہ وقت تھا کہ

نیابت نظامت میں رفاقت رہی،اور موجودہ نائب ناظم کے
سامنے حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
نے فرمایا،اب جو کام ہوگا تینوں کے مشورہ سے ہوگا،حضرت
مولانا محمد سالم صاحب کے نظامت سے سبکدوش ہونے
کے بعد مفتی محمد عبداللہ صاحب کو مستقل نائب ناظم بنایا گیا۔
(فیضانِ اشرف جنوری ۲۰۱۸ء ص ۹)

انتظام وانصرام:

۱۹۹۳ء میں آپ مدرسہ بیت العلوم کے نائب ناظم بنائے گئے،اس وقت محی السنہ حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ ناظم اعلیٰ تھے، پھر حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے انتقال کے بعد ۲۰۰۵ء میں ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے، جب مدرسہ کا انتظام آپ کے ہاتھ میں آیا تو مدرسہ نے تعلیمی اور تعمیری دونوں طرح سے خوب ترقی کی، تعمیرات میں اچھا خاصا اضافہ ہوا، کئی اہم عمارتیں آپ کی توجہ سے پائے تکمیل کو پہنچیں، مدرسہ کا رقبہ وسیع سے وسیع تر ہوا۔

آج سے دس سال پہلے ایک اہم عمارت ’’دارالحدیث‘‘ کی بنیاد ملک کے اکابر علماء اور مشہور بزرگان دین کے ہاتھوں رکھوایا، اور اپنی نگرانی میں پوری توجہ اور لگن کے ساتھ ایک ایک حصہ کو تیار کرایا، اور ممکن حد تک اسے اسلامی تہذیب کا جیتا جاگتا نمونہ کھڑا کر کے قوم کے سامنے پیش کر دیا، ابھی یہ عمارت مکمل نہیں

ہوئی تھی کہ دارالاقامہ کے لیے ایک دوسری عمارت ''رواقِ پھولپوری'' کی بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھ دی، ان دونوں عمارتوں میں ابھی کام چل ہی رہا تھا کہ تکمیل کی ذمہ داری آئندہ نسلوں کے کندھوں پر ڈال کر مالک حقیقی سے جا ملے۔

تعلیمی ترقی:

آپ کی ذات سے تعلیمی ترقی بھی خوب ہوئی، دورۂ حدیث شریف کی نشأۃ ثانیہ ہوئی، شعبۂ افتاء کا قیام عمل میں آیا، ''دارالافتاء'' کا نظم عمدہ اور بہتر بنا اور پورے علاقہ میں اس کا اعتبار اچھے سے اچھا کرنے میں آخر عمر تک لگے رہے، عربی ادب کا ایک مستقل شعبہ وجود میں آیا، ابھی دو سال پہلے ''تخصص فی الحدیث'' کا ایک نیا شعبہ قائم کیا اور اسے بہتر اور فعال بنانے کے لیے ماہر اور باکمال اساتذہ کی خدمات حاصل کی۔

شعبۂ حفظ:

شعبۂ حفظ کو پہلے سے بہتر بنایا، اس وقت درجہ حفظ کی سترہ (۱۷) درس گاہیں ہیں اور تقریباً پانچ سو طلبہ قرآن کریم حفظ کرنے میں مشغول ہیں، اور ہر سال تقریباً ۷۰ طلبہ حفظ قرآن کریم مکمل کرتے ہیں، درجہ حفظ میں تجوید کا شعبہ الگ سے قائم کیا۔

بلاشبہ آج یہ کہا جا سکتا ہے کہ ضلع اعظم گڈھ میں قرآن کی تعلیم وتعلّم کی جو

رونق دکھائی دیتی ہے، اس میں مدرسہ بیت العلوم کی خدمات کا سب سے زیادہ دخل ہے اور یہ سب کچھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ کا ثمرہ ہے۔

شعبۂ پرائمری:

چند سال پہلے آپ نے شعبۂ پرائمری کی طرف توجہ دی، آپ کی تخلیقی اور فنکار طبیعت نے اس میں بھی نمایاں انقلاب پیدا کیا، آپ نے پرائمری کو ضلع اعظم گڈھ والوں کے لیے ایک مثالی نمونہ بنا دیا، آج مدرسہ بیت العلوم کے شعبۂ پرائمری کو علاقہ میں سب سے بہتر کہا جاسکتا ہے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو پہلے مسلمان بنالیں، پھر ملک کے کالج اور یونیورسٹیوں میں انھیں داخل کریں، یہ اسی وقت ممکن ہے کہ پہلے اسلامی مکتب میں پرائمری پانچ تک پڑھ کر نماز، روزہ وغیرہ سیکھ لیں، پھر چاہے انجینئر بنیں یا ڈاکٹر بنیں، جس شعبہ میں جائیں گے مسلمان بن کر رہیں گے۔

قوم کے نام ایک پیغام:

حضرت نے جب پرائمری کو ترقی دی تو قوم کے نام ایک پیغام جاری کیا جس کے سطر سطر سے احساسِ زیاں نمایاں ہوتا ہے، ہم وہ پیغام بلفظہٖ یہاں درج کرتے ہیں:

اچھے پرائمری اسکول بچوں کو صحیح رُخ دیتے ہیں

ہم اپنے بچوں کے لئے اچھے اسکول، اچھے اساتذہ منتخب کرنے میں کوتاہی ہرگز نہ کریں، کیونکہ بچے ابتدائی اساتذہ کا اثر زیادہ قبول کرتے ہیں اور اچھے مکاتب سے صحیح رہنمائی قبول کرکے وہ اپنے گھرانے اور ملک وقوم کے لئے اچھے قائد بن سکتے ہیں ہمارے یہی بچے آئندہ کے رہنما بڑوں کی جگہ سنبھالنے والے ذمہ دار ہوجائیں گے، بشرطیکہ ہم اسکول کے انتخاب میں غلطی نہ کریں۔

پرائمری اسکول کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرتے ہوئے اسلامی علوم پر بھرپور نظر رکھتے ہوئے مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر کے پرائمری شعبوں کو مزین کردیا گیا ہے، اور علاقائی طلباء کی سہولتوں کے پیش نظر بسوں اور گاڑیوں کا اچھا نظام ہوگیا ہے، ماشاء اللہ اب پوری رعایتوں کے ساتھ آپ مدرسہ کے پرائمری درجات سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

الحمدللہ مدرسہ ہٰذا کے شعبۂ پرائمری میں طلبہ واساتذہ کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے، مدرسہ چاہتا ہے کہ مدرسہ کے نصاب کی رعایت کرتے ہوئے اطراف کے مکاتب اپنا مدرسہ چلائیں تو ایسے بچوں کو یہاں آگے داخلہ آسانی سے ملے گا اور بچوں کی صحیح تربیت کا دائرۂ کار زیادہ بڑھ جائے گا، البتہ آج کل انگلش میڈیم کے نام سے بہت سے غیر معیاری ادارے کھلتے جارہے ہیں، ہمیں

ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، اچھی تعلیم وتربیت ہر بچے کی زندگی کے لئے خوراک وپوشاک سے بھی اہم ہے، کیونکہ مسلمان کے سامنے صرف یہی دنیا نہیں ہے بلکہ اس کو اپنی آخرت بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے؛ لہٰذا دینی معلومات حاصل ہونا چاہئے اس سے بھی اہم یہ ہے کہ آخرت کی فکر نصیب ہو نیز اپنے کو شریعت وسنت پر کاربند رکھیں، دنیا کمانا اور بڑھانا برا نہیں ہے بلکہ اچھے نیک آدمی کے لئے نعم المال ہے، یعنی بہترین آلہ ہے، آخرت بنانے کا ذریعہ ہے۔

اس لیے اچھا انسان اگر مالدار ہو تو ایک جم غفیر کو نفع ہوگا، اسی طرح اگر وہ دینی مدرسہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کرے تو اعلیٰ تعلیمات، ہائی فائی ڈگریاں اس کو مزید ترقی دے دیں گی اور وہ جس شعبہ میں کام کرے گا نرالا کام کرے گا، اور قوم وملت کا بہترین خادم بنے گا، کیونکہ ایمانداری امانت داری ہر ڈگری کا جوہر ہے، بغیر اسکے کوئی منصب مفید نہیں ہوتا، نہ وہ کسی کا معتمد ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی کے کام آسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں وفادار بندوں میں شامل فرمائے اور ہماری نسلوں کو کار خیر میں قبول فرمائے۔ (آمین)

مدرسہ کی طرف لوگوں کا رجحان:

حضرت والا علیہ الرحمہ کے مدرسہ میں قدم رکھنے سے ایک عظیم انقلاب پیدا ہوا، مدرسہ پہلے مختصر تھا، اب طویل وعریض ہوگیا، مالیات کا شعبہ بہتر اور مضبوط ہوا، طلبہ کا رجوع بھی مدرسہ کی طرف زیادہ ہوا، طلبہ میں پڑھی ہوئی باتوں

پر عمل کرنے کا جذبہ بھی آپ کی کوششوں سے پختہ سے پختہ تر ہوا۔

لوگوں کا رجحان بھی مدرسہ کی طرف ہوا، اور ملک کے گوشوں سے مدرسہ میں لوگوں کی آمدورفت جو ہوئی ہے، یہ سب حضرت ہی کے فیض کا کرشمہ ہے، اس وقت مدرسہ کا یہ وقار کہ تعلیم وتربیت کے اعتبار سے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر نامی گرامی مدرسوں میں سے ایک ہے، ''حضرت ہی کے دم سے قائم ہوا''۔

بے لوث خدمت:

جب حضرت کا قدم مدرسہ میں پڑا تو درو دیوار نے خوشی محسوس کی، اور جب ناظم بنائے گئے، تو مدرسہ کی ترقی کے لیے انہوں نے بے حد کوشش کی، رات دن ایک کردیا، جنہوں نے حضرت کا ابتدائی زمانہ پایا ہے، وہ بتاتے ہیں کہ حضرت کے پاس ایک اسکوٹر تھی، جس سے گاؤں گاؤں اور بستی بستی جا کر تقریریں کرتے تھے، لوگوں کا دینی مزاج بناتے تھے، حضرت ایک مجلس میں فرمانے لگے:

> آج لوگوں کی زبان پر ہے بیت العلوم ترقی کر رہا ہے، وہاں پیسہ کی کیا ضرورت ہے، وہاں روپیہ پیسہ برستا ہے، لیکن لوگ میری محنت اور میری کدوکاوش کو نہیں دیکھتے، جب سے میں ناظم ہوا، دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھا، عید، بقرعید، ششماہی، سالانہ کی تعطیل میں کبھی خیال نہیں آیا کہ کچھ دن گھر گذارلوں، جہاں سے بلاوا آیا سفر کے لیے نکل پڑا''۔

مدرسہ بیت العلوم کا تعارف ملک اور بیرون ممالک میں حضرت نے اپنی انتھک محنت اور بے لوث خدمت سے کرایا، ان کی نظامت میں مدرسہ نے جو تعلیمی وتعمیری ترقی کی ہے وہ بے مثال ہے، جن لوگوں نے مدرسہ کو شروع میں دیکھا ہے وہ اب دیکھتے ہیں تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل جاتی ہیں اور عمارت کی اونچائی دیکھ کر ان کی ٹوپیاں گرنے لگتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

طریقۂ اصلاح وتربیت

پہلے یہ گزر چکا ہے کہ آپ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی علیہ الرحمہ سے اجازت یافتہ تھے اور تعلیم وتربیت میں حضرت ہردوئی کے عکس جمیل تھے، انھیں کے نہج پر آپ مریدین کی اصلاح وتربیت فرماتے تھے، آپ کے ہزارہا مریدین ملک اور بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنی شب وروز کی زندگی میں مشورہ لینے کے لیے، یا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، آپ شرعی اور روحانی طور پر ان کی رہنمائی فرماتے تھے، جو لوگ خدمت میں حاضر نہ ہوسکتے تھے، وہ خط وکتابت کے ذریعہ اپنی ضرورتیں حضرت کے سامنے پیش کرتے تھے۔ آپ ذوق وشوق سے ان کی رہنمائی فرماتے اور جوابی مکتوب لکھ کر ان کی اصلاح وتربیت کرتے تھے۔

اصلاحی خط وکتابت کی اہمیت:

مریدین کے حالات چونکہ مختلف ہوتے ہیں، کچھ فارغ البال قرب وجوار کے، کچھ دنیا کے مشاغل میں گھرے ہوئے دور دراز کے، ایسوں کے لئے، جو عدیم الفرصتی کی وجہ سے یا دور ہونے کی وجہ سے شیخ کی خدمت میں بالکل

حاضر نہیں ہو پاتے یا بہت کم حاضر ہوتے ہیں، اصلاح کے لئے حضرت اقدس تھانویؒ نے خط وکتابت کا سلسلہ تجویز فرمایا ہے کہ وہ اپنے حالات کی خبر شیخ کو مکتوب سے دیتا رہے، اور اپنے اندر جو کمی کوتاہی محسوس کرے اس کی خبر شیخ کو خط کے ذریعہ بھیج دے، اور شیخ کے تجویز کردہ نسخہ پر عمل کرے، حضرت اقدس تھانویؒ کے ملفوظات میں جا بجا اس پر تاکید موجود ہے۔

نفس کی اصلاح کے لیے چند مفید کتابیں:

نفس کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ مرید نفس کی بیماریوں اور اس کے مکائد سے واقف ہو اور اچھے برے اخلاق وحالات کی پہچان بھی رکھتا ہو اگر مرید کچھ پڑھا لکھا ہو تو روح کی بیماریوں کی پہچان کے لئے حضرت مفتی صاحب درج ذیل کتابیں اپنے مطالعہ میں رکھنے کی تاکید کرتے تھے۔

(۱) اسوۂ رسول اکرم ﷺ (۲) اصلاحی نصاب از حکیم الامتؒ (۳) مجالس ابرار (۴) معرفت الٰہیہ (۵) تربیت السالک (۶) مواعظ درد محبت از حکیم اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔

ان کتابوں سے اپنے حالات کا موازنہ کرے اور شب وروز کی زندگی شریعت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے، اور خامیوں کوتاہیوں کی تشخیص کرکے اس کو دور کرنے کی فکر کرے، اگر بس میں نہ ہو تو تحریراً شیخ سے رجوع کرے، شیخ جو عمل، اَوراد و وظائف تجویز کرے، اس پر پابندی کے ساتھ عمل

کرے، اگر پھر بھی وہ کمی کوتاہی دور نہیں ہوتی تو دوبارہ مالہ وماعلیہ کو شیخ کے پاس لکھ بھیجے اور اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رکھے جب تک کہ اخلاق رذیلہ دور نہ ہو جائیں، یا شیخ خود ہی کوئی دوسری صورت تجویز نہ کر دے اور اگر مرید پڑھا ہوا نہ ہو تو ''گناہوں کے نقصانات'' پرچہ اپنے پاس رکھے اور جو کوئی پڑھا ہوا مل جائے دو تین گناہ اس سے پڑھوا کر یاد کر لے، پھر تنہائی میں غور کرے اگر اس کے اندر ان گناہوں میں سے کوئی موجود ہے اور اس کا علاج خود سے ممکن نہیں، تو کسی سے لکھا کر شیخ سے رجوع کرے اور شیخ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرے۔

اور اگر اس سے یہ نہ ہو سکے تو جب بھی اپنے اندر زیادہ کمی محسوس کرے اور اس پر قابو نہ پائے تو ہمت کر کے وقت نکال کر شیخ کی خدمت میں ضرور حاضر ہو اور اصلاح جیسی اہم چیز کو معمولی مشقت کی وجہ سے ہرگز نہ چھوڑے۔

حضرت اصلاحی مکاتیب پر بہت زور دیتے تھے، ان کا حکم تھا، کہ سالک ہر مہینہ اصلاح کے لیے ایک خط ضرور لکھے۔

تعلیم وتربیت کے نمونے:

آپ کی تعلیمات نہایت اہم ہیں اور ان شاء اللہ اگر زندگی رہی اور توفیق الٰہی شامل رہی تو انھیں مرتب بھی کیا جائے گا، سردست اس کا کچھ نمونہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

ایک دفعہ ایک داخل سلسلہ شخص نے اپنے دل کی پریشانیاں اور وابستگی

وکشادگی کی حالت لکھ کر حضرت کے پاس مکتوب پیش کیا، تو حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:

''صبر وشکر دونوں منزلیں طے کرنا ترقی کے لیے ضروری ہے اسی لیے قبض وبسط مستقل پیش آتے رہتے ہیں''۔

ایک اور مکتوب میں یہ سوال کیا کہ بزرگوں کو ہم معصوم مان سکتے ہیں یا نہیں؟ مولانا عبیداللہ سندھی کا امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید کے ذاتی اوصاف وکمالات میں معصوم ماننے کا کیا مطلب ہے؟ جواب میں آپ نے تحریر فرمایا:

بس اولیاء کے لیے یہی سمجھیں کہ وہ معاصی سے محفوظ رہتے ہیں نہ کہ معصوم، بزرگوں کے ان کے احوال میں رعایت کی جاتی ہے مگر اتباع صرف سنت کا ہوگا، مولانا سندھی کا یہ جملہ ان کی عقیدت ومحبت پر محمول ہوگا، نہ کہ معنیٰ حقیقی پر ''وَهٰذَا مِمَّا يُعْلَمُ وَلَا يُفْتٰى بِهٖ'' (یعنی یہ ان چیزوں میں سے ہے جنھیں جانا تو جاتا ہے؛ مگر اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا ہے) کے قبیل سے ہے ''وَقَالَ الْعَلَائِيّ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ﴾، فَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَعَدَنَا فَقَطْ حِفَاظَةَ كِتَابِهِ الْعَزِيْزِ، وَلَمْ يَعِدْ لِأَحَدٍ، وَلِهٰذَا اسْتَدْرَكَ الْعُلَمَاءُ لِلصَّحِيْحَيْنِ، يَعْنِي

الْبُخَارِيَ وَمُسْلِمَ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ"۔

اور علامہ علائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (قرآن کریم میں) ارشاد فرماتا ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ﴾ کہ ہم ہی نے قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، تو اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہم سے صرف اپنی کتاب عزیز کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، کسی اور کے لئے حفاظت کا وعدہ نہیں کیا ہے اور اسی وجہ سے علماء نے صحیحین یعنی بخاری ومسلم کا استدراک کیا ہے۔

(ترجمہ از مرتب)

کامیابی کا راز:

ایک اور مکتوب کے جواب میں تحریر فرمایا:

ہر کام کی کامیابی تین چیزوں میں مضمر ہے:

(۱) صبر کرو، یعنی اس کام پر جمے رہو۔

(۲) اور اس میں مصابرت اختیار کرو، یعنی آپس میں صبر کا ماحول پیدا کرو۔

(۳) اور پھر اس کام کی مسلسل نگرانی کرو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿اصْبِرُوْا﴾ (صبر کرو)

اور پھراس میں مبالغہ کے ساتھ فرمایا:﴿ وَصَابِرُوْا﴾ (اور صبر کرنے کا ماحول پیدا کرو) کہ ہر آدمی صبر کا خوگر ہو جائے، اور پھر اس کے بعد فرماتا ہے: ﴿وَرَابِطُوْا ﴾ اور آپس میں اس کی نگرانی کرو۔

کوئی بھی کام ہو دنیوی ہو یا اخروی، اصلاح نفس ہو یا اور کوئی کام، ہر ایک کے لیے یہ تینوں شرطیں لازم ہیں، جب تک آدمی ناگواریوں کو برداشت کر کے اس کام پر جمے گا نہیں، اور دنیا کی سب مخالفتوں اور تمام موانع کے سامنے سینہ سپر نہیں ہوگا اور ان تمام علائق اور پریشانیوں کو جھیل کر مسلسل کام کے دھن میں مست نہیں ہوگا، اس وقت تک اس کا کام خام اور اس کی سعی لاحاصل ہوگی، اصلاح تو بہت مشکل کام ہے، نفس کو سنوارنے کے سلسلہ میں ناگواریوں پر صبر کرنا اور اس راہ میں جو بھی رکاوٹیں ہوں ان کو ترک کر کے مسلسل اس کام کو کرنا ضروری ہے، پھر جا کر کہیں ایک مدت کے بعد اصلاح ہوگی۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

خواتین کی اصلاح

اسلامی معاشرہ میں خواتین کا کردار:

اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے اس کے آغوش تربیت میں مرد اور عورت دونوں پرورش پاتے ہیں، ان دونوں کے وجود سے ایک معاشرہ کی تشکیل ہوتی ہے اور جب یہ معاشرہ اسلامی اصولوں کے مطابق وجود پذیر ہوتا ہے تو وہ اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے۔

اس معاشرہ کی تشکیل اور اس کے صحیح خطوط پر رہنے کے لئے مرد اور عورت دونوں کی ضرورت پڑتی ہے اور شدید ضرورت ! اس معاشرہ کو عمدہ تر بنانے میں مرد اپنا بھرپور کردار ادا کرتا ہے، یہ بالکل واضح ہے اسے ذکر کرنے کی حاجت نہیں ہے، مگر عورت بھی اس میں اپنا کردار نبھاتی ہے، اور ایک حد تک اس میں حصہ لیتی ہے، یہ ایک غیر واضح ، بدیہی بات ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

اس میں کسی دو شخص کی بھی رائے مختلف نہیں ہوسکتی کہ اس انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں ایک وہ جس کا تعلق کسبِ معاش اور گھر کی چہار دیواری سے باہر

انجام پانے والے امور سے ہے۔

دوسرا وہ جو گھریلو امور سے وابستہ ہے اور یہ بھی بدیہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں صنف کو اس انداز سے پیدا کیا ہے اور ان کی فطرت اس ڈھنگ سے بنائی ہے کہ مرد کے لئے کسبِ معاش اور گھر سے باہر انجام پانے والے امور مناسب ہیں اور عورت کے لئے گھریلو امور مناسب ہیں، جب یہ دونوں صنف اپنے دائرہ میں رہتے ہیں تو اس کی برکت سے ایک خوبصورت اور جنتی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

عورت کا مقصدِ تخلیق:

عورت کی تخلیق مرد کو آرام پہونچانے کے لئے ہوئی ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت معاشرہ میں مستقل اپنی ایک ہستی رکھتی ہے، آئندہ نسلوں کو راہ راست پر گامزن کرنے میں اس کا ایک اہم کردار ہے، اس کی سچائی، کردار کی پختگی، معاملات کی صفائی ستھرائی، علم وعمل، پیار ومحبت اور اہل خاندان کے ساتھ اس کا بہتر رویہ معاشرہ پر ایک خوشگوار اثر چھوڑتا ہے اور اس کے آغوش تربیت میں مستقبل کی جو شخصیت پرورش پاتی ہے اس پر خاطر خواہ ان خوبیوں کی کرنیں پڑتی ہیں اور آگے چل کر وہ سادہ قلب ننھا سا بچہ ایمان ویقین، علم وعمل، پیار ومحبت، کردار کی سچائی اور پختگی کا روپ دھار لیتا ہے۔

تاریخ کے سنہرے اوراق میں ہزار ہا ایسی شخصیات چمکتی ہیں جن کی

امامت وصداقت کے پیچھے انھیں مقدس پردہ نشیں خواتین کا کردار نظر آتا ہے،امام بخاریؒ ، امام ربیعہ الرائیؒ، امام غزالیؒ جوآسمانِ شریعت کے آفتاب وماہتاب تھے،جن کی روشنی میں آج بھی لوگ دین کا راستہ طے کرنے میں اپنی سعادت سمجھتے ہیں ان کی تعلیم وتربیت کوسنوارنے اوران کی شخصیت کوابھارنے ، نکھارنے میں کن کا ہاتھ تھا؟ انھیں خواتین اسلام نے وہ وہ کارہائے نمایاں انجام دیں جن کے تذکرے سے تاریخ کےاوراق جگمگارہے ہیں۔

عورتوں کے کام:

عہدِ نبوی کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواتین اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں اپنا رول نہایت خوبی سے ادا کرتی تھیں،روزمرّہ گھریلو کام کاج کے علاوہ ملکی اورانتظامی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں، کوچہ علم وعمل کی بھی شناساتھیں،مسندارشادوتلقین کوبھی رونق بخشتی تھیں،الغرض خواتین اسلام معاشرہ اورسماج میں ایک اہم کردارادا کرتی تھیں،لیکن اس جدید دورمیں خواتین تفریح کی ایک اہم اورضروری چیز بن گئی ہیں فسق وفجور کے روح فرساں منڈی میں اب یہ جنس نایاب نہ رہی، بلکہ اس کی وہ بہتات ہے کہ بےشرمی بھی شرماجاتی ہے۔

آج کی عورت اپنے ضروری فرائض سے غافل ہوگئی ہے، اپنی ذمہ داریوں کوبھول کر بازار کی زینت بن گئی ہے،اپنی اولاد کی تربیت سے بے پرواہوکر ساز وسنگار میں گم ہے، وہ نہ ہی اپنے شوہر کے حقوق کوادا کرتی ہےاورنہ ہی اپنے

بچوں کی، بلکہ غیروں کے ساتھ مل کر خاندان کی عزت خاک آلود کر رہی ہے۔

اوراد ووظائف:

حضرت والا علیہ الرحمہ جس طرح مردوں کی اصلاح میں کوشاں رہتے تھے اسی طرح ان کی شدید خواہش تھی کہ عورتیں بھی اسلامی دستور کے مطابق اپنی زندگی گذارنا شروع کر دیں تو ہمارے گھروں میں برائیوں کا جو سیلاب امڈا چلا آ رہا ہے اس میں بہت حد تک کمی آ جائے گی اور بچوں کی تربیت اسلامی خطوط پر ہونے لگے گی۔

اس کے لیے آپ گاؤں گاؤں پروگرام کراتے تھے، ہفتہ میں پھولپور کے اطراف میں عورتوں کا کوئی نہ کوئی مخصوص پروگرام ضرور ہوتا، انھیں مسائل سے آگاہ کیا جاتا، اہلِ خانہ کے حقوق وآداب بتائے جاتے، قرآن وحدیث میں مذکور اذکار واوراد پابندی سے پڑھنے کی تلقین کی جاتی، حضرت ان اوراد کو شائع کرا کر عورتوں کے درمیان تقسیم بھی کراتے تھے، ہم ان کو یہاں درج کرتے ہیں:

صبح وشام کے معمولات:

(۱) پہلا کلمہ ''لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ'' تین سو بار نماز فجر کے بعد، یہ اس نیت سے پڑھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادتی ہو۔

(۲) ''لَا حَـوْلَ وَلَا قُـوَّةَ اِلَّا بِـاللّٰهِ'' اس دعاء کو اصلاح حال کی نیت سے پڑھنا چاہیے۔

(۳) چلتے پھرتے تیسرا کلمہ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ'' پڑھتے رہا کریں۔

(۴) عصر کی نماز کے بعد تین سو بار درود شریف، رسول اکرم ﷺ کی محبت میں زیادتی کے لئے جس پر ایمان کا مدار ہے۔

(۵) تین سو بار استغفار ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ'' اس کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھی جائے۔

(۶) تینوں قل یعنی ''قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ'' اور ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' اور ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' ان سورتوں کو تین تین بار صبح وشام پڑھا جائے، اس کی برکت سے جادو، ٹونا، ٹوٹکا بلکہ ہر مصیبت سے آدمی محفوظ رہتا ہے۔

(۷) عشا کے بعد سورۂ ملک اور سورۂ الم سجدہ کی تلاوت کی جائے اس سے آدمی عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے، اسی طرح بعد مغرب سورۂ واقعہ کی تلاوت کی جائے اس کی برکت سے آدمی فقر وفاقہ سے محفوظ رہتا ہے۔

(۸) ''حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ'' اگر ۳۰۸ بار پڑھا جائے تو رزق کے اندر کشادگی ہوتی ہے؛ لیکن اس دعا کے پڑھنے سے پہلے سات بار درود شریف اسی طرح آخر میں بھی سات بار درود شریف پڑھ لینی چاہئے۔

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے ۸۰/مرتبہ یہ

درود شریف پڑھے ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا '' اس کے ۸۰؍سال کے گناہ معاف ہوں گے اور ۸۰ سال کی عبادت کا ثواب اس کیلئے لکھا جائے گا، اور ایک روایت میں ہے کہ مجھ پر درود پڑھنا پل صراط پر گذرنے کے وقت نور ہے۔

خواتین کے مطالعہ کے لیے چند دینی کتابیں:

خواتین کو فضولیات اور بے کاری سے بچانے کیلئے ضروری ہے کہ ان کو دینی کتابوں کے مطالعہ کا شوق دلایا جائے، چند کتابوں کا نام لکھا جاتا ہے جن کے پڑھنے سے ان کے اخلاق میں کافی نمایاں فرق ہوسکتا ہے۔

(۱) بہشتی زیور (۲) دین کی باتیں (۳) تعلیم الاسلام (۴) حکایات صحابہؓ (۵) مجالسِ ابرار (۶) آداب المعاشرت (۷) فضائل اعمال (۸) تبلیغ دین (۹) اصلاح الرسوم (۱۰) حیات المسلمین۔

مجالس

آپ کی ذاتی ،اصلاحی اور عمومی مجلسیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز مجالس کی آئینہ دار ہوا کرتی تھیں، آپ ہمہ وقت شگفتہ رو، خندہ دہن، نرم گفتار اور اعلیٰ کردار رہا کرتے تھے، جو بھی جانا انجانا مجلس بابرکت میں حاضر ہوتا تھا، وہ مانوس ہوکر ہی جاتا تھا، آپ کسی سے بدکلامی نہ فرماتے، کسی کی تلخ کلامی کا جواب نہ دیتے، ناگوار امور سے صرفِ نظر فرماتے، ہر ایک سے اس کے مزاج اور استعداد کے موافق گفتگو فرماتے تھے، موضوعِ گفتگو ہمیشہ دین وآخرت کی باتیں ہی نہیں ہوتی تھیں، بلکہ کبھی تعلیم وتزکیہ ہے تو کبھی شعر وسخن، گاہے حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ فرماتے تو کسی وقت دنیا کے سیاسی منظرنامے پر بھی اظہارِ خیال فرماتے تھے؛ کوئی بے تکلف شخص ہوتا تو اس سے دل لگی بھی فرماتے، کبھی سراپا عشق ومحبت نظر آتے تو کبھی عالمِ بے بدل معلوم ہوتے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ ایک خاص اور اہم چیز یہ تھی کہ آپ کا قلب ہمہ وقت محبوب حقیقی کی یاد میں مشغول رہتا تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوتا کہ موضوعِ سخن کچھ بھی ہو جب بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ آتا اور

کچھ محبت کی باتیں ہوتیں تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے، ہنسنے میں رونا اور رونے میں ہنسنا، یہ آپ کا ایسا وصف تھا جس سے ہر ملنے والا بخوبی واقف ہے۔آپ جب مدرسہ میں ہوتے تو بعد نماز عصر مسجد میں اساتذہ کرام کے سامنے حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی کسی کتاب سے ۱۵ منٹ کچھ پڑھ کر سنانے کا معمول تھا، اور فرماتے کہ یہ میری مجلس نہیں بلکہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی مجلس ہے، اس لیے کہ باتیں انھیں کی ہیں، تو گویا ہم صاحبِ کلام سے استفادہ کررہے ہیں، پھراس کے بعد مدرسہ میں کسی خاص جگہ پر عمومی مجلس ہوا کرتی تھی، جو مذکورہ بالا اوصاف پر مشتمل ہوتی تھی، خوردونوش کے دور سے تو شاید ہی کوئی مجلس خالی ہوتی ہو، آج جب وہ مناظر یاد آتے ہیں تو نہ جانے کتنے دلوں سے آہ نکلتی ہے۔

یاد آتی ہے وہ زلفِ پریشاں تو پیچ وتاب کھاتی ہے میری جاں

رجال سازی کی ضرورت:

ایک مرتبہ اساتذہ کے ساتھ کچھ مہمان بھی تھے، ایک سلسلہ گفتگو میں فرمانے لگے:

''آج کل قحط الرجال کا بحران ہے، دینی حلقوں میں بھی اس کا اثر ہے، کسی جگہ بھی کوئی کام کا آدمی نہیں ملتا ہے، ایک آدمی بھی ایسا نہیں کہ کوئی کام اس کے سپرد کرکے آدمی مطمئن ہوجائے، اگر کسی کے سپرد کوئی کام کیا جاتا ہے، تو ذمہ دار کی بات پر عمل کرنے کے بجائے اپنا ہی چلانے لگتا ہے، اور اپنے ہی کو معتمد

سمجھنے لگتا ہے، حالاں کہ مکی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجال سازی کا کام لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل تیرہ سال تک لوگوں کو سنوارا، ان کے اندر کی ہر صلاحیت کو ابھارا، پھر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم جیسے رجال پیدا ہوئے، انھیں حکومت بھی ملی، تو اسے بھی علی منہاج النبوۃ چلایا‘‘۔

صحبت بدوں مجاہدہ ناقص ہے:

ایک مرتبہ ایک مجلس میں فرمانے لگے کہ

’’لوگوں کا عجیب حال ہے، اوّلاً تو اپنی اصلاح کی فکر ہی نہیں ہوتی، اگر کسی کو فکر ہوتی ہے، تو کسی بزرگ سے بیعت ہو گئے اور وقتاً فوقتاً کبھی مجلس وعظ وذکر میں بیٹھ گئے اور بس سمجھنے لگے کہ اصلاح ہو گئی، حالاں کہ صرف بیعت اور صحبت سے اصلاح نہیں ہوتی، بلکہ ساتھ ساتھ مجاہدہ بھی ضروری ہے، دادا جان (مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ) جب قرآن کی آیت ﴿ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴾ تلاوت فرماتے، تو اسی کے ساتھ ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ کو بھی ملا لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ بزرگوں کی معیت بغیر مجاہدہ کے پورا فائدہ نہیں دیتی، لہٰذا اصلاح کے لیے اللہ والوں کے پاس بیٹھنے کے ساتھ ساتھ گناہوں سے بچنے کا مجاہدہ بھی کرنا ضروری ہے‘‘۔

مقبولیت کی پہچان:

عصر کے بعد دارالتحفیظ جدید کے صحن میں کافی لوگ مجلس میں تھے، کچھ نئے مہمان کے ساتھ اساتذہ بھی موجود تھے، کوئی بات چلی تو آپ کہنے لگے:

''محبوبیت دوطرح سے آتی ہے، ایک اللہ کی جانب یعنی اوپر سے اور دوسری لوگوں کی جانب یعنی نیچے سے، چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی جگہ لکھا ہے کہ ایک محبوبیت زمین سے پیدا ہوتی ہے اور ایک محبوبیت آسمان سے اترتی ہے، جو محبوبیت نیچے سے آتی ہے، وہ عوام الناس میں تو مقبول ہوتی ہے، مگر عنداللہ مقبول نہیں ہوتی، اور جو آسمان کی طرف سے آتی ہے، وہ عندالناس بھی مقبول ہوتی ہے اور عنداللہ بھی، اور عنداللہ مقبول ہونے کی پہچان یہ ہے کہ وہ محبوبیت خواص کے دلوں میں اترتی ہے، یہ ہدایت آسمانی ہے، پھر عوام کے دلوں تک پہنچتی ہے، اور جو محبوبیت عوام کی طرف سے ہوتی ہے، وہ عوام ہی میں محدود ہو کر رہ جاتی ہے''۔

اس طرح کی باتیں اکثر مجلسوں میں فرماتے اور لوگوں کو اصلاح احوال کی فکر دلاتے، جب کبھی مجلس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ آتا تو آبدیدہ ہو جاتے، دل میں رقت طاری ہو جاتی، تمام شرکاء مجلس اشکبار نظر آنے لگتے، طلبہ اور اساتذہ کو خطاب کرتے وقت اکثر دیکھا کہ آبدیدہ ہو گئے، ہچکی بندھ گئی، تمام لوگ بھی رونے لگتے اور جب پرسکون ہوتے تو سب کے سب اطمینان وسکون کی کیفیت محسوس کرتے''۔

وعظ وتقریر:

ان کی زندگی کا ایک روشن پہلو وعظ وتقریر ہے ، ان کے مواعظ اور تقریروں میں دین کا درداور اصلاح امت کی فکر کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی تھی، اخیر کے دس سالوں میں اسفار کا طویل سلسلہ شروع ہوگیا تھا، جگہ جگہ وعظ وتقریر کی محفلیں جمتی تھیں، ملک اور بیرون ملک جلسوں اور اجتماعات میں تقریریں ہوتی تھیں، ہر جگہ اخلاص وللّٰہیت کا وہی پرتو نمایاں ہوتا تھا، جو ہمارے بزرگوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے، دورانِ تقریر اکثر علامہ اقبالؒ ، خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ ، مولانا محمد احمد پرتا بگڈھیؒ اور حکیم محمد اختر پرتا بگڈھیؒ ثم پاکستانی کے اشعار پرسوز انداز میں پڑھتے تھے،ان کا شعری ذوق بہت بلند تھا۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جلسہ یا مجلس میں امام صاحب یا قاری صاحب قرآن کریم کی جن آیتوں کی تلاوت کرتے انھیں میں سے چند آیتوں کو منتخب کر لیتے اورانھیں کی تفسیر وتشریح میں تقریر مکمل ہوجاتی۔

تقریر کے نمونے:

حضرت کی تقریریں عام فہم اور موقع محل کے مناسب ہوتی تھیں، انداز ایسا پیارا ہوتا کہ سیدھے دل میں اثر کرتا تھا، ایک موقع پر ایک مجمع کو خطاب کرتے ہوئے گویا ہوئے:

’’اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے دشمنوں کے ذریعہ پٹوا کر تمہاری غیرت

کو ابھارنا چاہتے ہیں کہ بھائی تم تو مسلمان تھے، دنیا کو تو تم سلامتی بانٹ رہے تھے، تم دہشت گرد کیسے کہے جارہے ہو''؟

ایک دوسرے موقع پر مسلمانوں کو حوصلہ واستقامت کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''کیا مسلمان قرآن کی اس آیت کو نہیں جانتا؟ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ کہ اگر تم صحیح ایمان والے رہے تو تم ہی سربلند رہوگے، اللہ تعالیٰ مؤمن کی سربلندی کا اعلان کررہے ہیں اور اگر آج مسلمان کی سربلندی نہیں ہے تو صرف اس لئے نہیں ہے کہ آج اپنے اسلام کو اس نے خود اپنے اوپر سے رخصت کردیا ہے''۔

تعزیت کے موقع پر مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

کچھ قرآن پڑھو، تلاوت کرو، کلمہ پڑھو، اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا، ایسا نہ ہو کہ کمائی کا موقع تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، ان سارے غموں کا علاج اپنی آخرت کی تیاری ہے اور جانے والے کے ساتھ ہمدردی یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر اس کو بخشے، صدقہ کرکے ایصال ثواب کرے، اس سے تعلق اور محبت کا تقاضی یہی ہے کہ جانے والے کا جس کام سے فائدہ ہو وہ کام کرے۔

☆☆☆

☆

مجلس دعوۃ الحق

دنیا میں جب سے انسان موجود ہیں اس وقت سے ہمیشہ، ہر زمانہ میں، ہر قوم کے پاس ان کی رہنمائی کے لئے خدا سے ان کا تعلق قائم کرنے کے لئے، ان کو جادۂ مستقیم پر لانے کے لئے، عبادت وریاضت، اخلاق وکردار کی درستگی کے لئے آپس میں بھائی چارہ، محبت ومودت پیدا کرنے کے لئے، اور دنیا کے تمام علائق سے کاٹ کر خالق کے ساتھ رشتہ استوار اور مضبوط تر کرنے کے لئے خدا ہی کی طرف سے ایک نہیں، دوچار نہیں بلکہ سیکڑوں، ہزاروں، نبی، رسول، خدا کے برگزیدہ اور مخصوص بندے آتے جاتے رہے اور بے شمار گم گشتۂ راہ انسانوں کو راہِ خدا پر گامزن کئے، یہ خالق کا ایک دستور ہے کہ مخلوق کے اندر جب بھی نادرستگی، بگاڑ کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں تو ان کی دستگیری منجانب اللہ ہوتی ہے اور لاتعداد انسان گمراہی سے بچ جاتے ہیں، اس سلسلہ کی آخری کڑی جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تھی، آپ ﷺ کے بعد یہ ذمہ داری آپ کی امت کے ان چیدہ انسانوں پر ہے جو زیور علم وعمل سے آراستہ ہیں، اخلاق وکردار میں بہت حد تک آپ کے مشابہ ہیں ان کی زندگی کا ہر عمل عبادت کے نور سے جگمگاتا

ہے صرف یہی نہیں بلکہ وہ دوسروں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لینے کے بہت زیادہ حریص ہوتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ دنیا کا ہر انسان سنت رسول کا متوالا ہوجائے ،حضور کا عمل صرف کتابوں ہی میں نہیں بلکہ ارض دنیا کے اس ورق پر چلتی پھرتی صورتوں میں نظر آئے۔

اللہ تعالیٰ نے امت میں ایسے بے شمار لوگوں کو پیدا کیا،انھوں نے اپنی تمام صلاحیت کو امت کی اصلاح میں صرف کردیا،مختلف انجمنیں،مجلسیں اور کام کرنے کے مختلف تجاویز ان کی برکت سے وجود میں آئیں اور کئی ایک امت کے حق میں مفید ہوئیں،لوگوں نے اپنی اصلاح ،معاشرہ کی آراستگی کے سلسلہ میں خوب جی بھرکر ان سے فائدہ اٹھایا۔

انھیں کام کرنے کی مختلف مجلسوں میں سے ایک مجلس دعوۃ الحق بھی ہے جس کو حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ جن کی حذاقت کا ایک جہاں قائل ہے،انھوں نے غور وفکر کے بعد مرتب فرمایا تھا۔

حضرت حکیم الامتؒ کے بعد ان کے خلفاء اپنی نگرانی میں اس کام کو چلاتے رہے اور پھولپور میں حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی نوراللہ مرقدہٗ نے ١٩٩٤ء میں دعوۃ الحق کا ماہانہ پروگرام جاری فرمایا،اس کے بعد یہ پروگرام حضرت والا علیہ الرحمہ کی ماتحتی میں پھولپور کی مرکزی خانقاہ میں ہر انگریزی ماہ کے پہلے ہفتہ جمعرات وجمعہ کو منعقد ہوتا تھا، چوبیس گھنٹہ کا یہ

پروگرام اپنے اندر بے شمار خوبیاں رکھتا ہے، اس پروگرام کی ایک اہم کڑی بعد نماز مغرب کا بیان ہے، یہ بیان عموماً حضرت والا علیہ الرحمہ کرتے تھے، ایک بیان کا نمونہ ہم یہاں درج کرتے ہیں:

اخلاص نیت کی برکتیں

میرے محترم بزرگو! اور دوستو!

اللہ تعالیٰ قرآن عزیز کے اندر ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (الانعام: ۱۶۲)	اے نبیؐ! آپ کہہ دیں میری نماز، میری ساری عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین کا کوئی بھی کام ہو، عبادت ہو، ریاضت ہو، ان کا نفع اسی وقت نصیب ہوگا جب احکام الٰہی کے حدود میں ہوں اور ان اعمال کو اخلاص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کیا جائے، اگر دین کے ان اعمال میں یہ نیت مقصود نہیں ہے تو صرف دین کا نام رہے گا، روح مفقود ہوگی، یعنی یہ سب کام دین کے ڈھانچے میں ہوں گے مگر حقیقی دین کوسوں دور ہوگا جو بدلہ اور ثواب ان پر مرتب ہونا چاہئے وہ مرتب نہیں ہوگا۔

ایک حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

يُوْشِكُ أَنْ يَّأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الإِسْلَامِ إِلَّا إِسْمُه، وَلَايَبْقٰى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُه، مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاءُ هُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ، مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ. (رواه البيهقى فى شعب الإيمان: ۳/۳۱۷)

عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ صرف اسلام کا نام باقی رہ جائے گا، اور قرآن کے صرف نقوش اور حروف باقی رہ جائیں گے، ان کی مسجدیں آباد ہوں گی لیکن ہدایت اور تقویٰ سے ویران ہوں گی، ان کے علماء روئے زمین پر بدترین لوگ ہوں گے، ان کے پاس سے یعنی ان کی ذات سے فتنہ نکلے گا اور انھیں میں واپس ہو جائے گا۔

اس حدیث کے اندر جو بات بیان کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ لوگ اسلام کے احکام پر عمل کریں گے مگر اخلاص اور للّٰہیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ صرف اسلام کی صورت اور رسم رہ جائے گا، اسلام کی جو حقیقت ہے اس سے لوگ کورے ہوں گے۔

قرآن کو لوگ خوب پڑھیں گے اور پڑھائیں گے مگر یہ صرف الفاظ اور حروف کا مجموعہ اور ملغوبہ ہو کر رہ جائے گا، کیوں کہ قرآن کے احکام ان کی زندگی میں، ان کی معاشرت میں نظر نہیں آئے گا، ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِيْهِمْ عَلٰى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ. (رواه الترمذی)

لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ اس وقت دین پر قائم رہنا اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا آگ کی چنگاری مٹھی میں پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔

اس حدیث کے بارے میں دادا جان (حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری علیہ الرحمہ) فرمایا کرتے تھے کہ حدیث کے اندر جس زمانہ کا تذکرہ ہے وہ گذر چکا، اب تو کہیں بھی بہ مشکل ایسے لوگ نظر آئیں گے جو حقیقۃً دین پر قائم ہوں۔

میرے محترم دوستو! نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، لکھنا پڑھنا اور دیگر امور خیر کی بہتات تو ہے مگر صرف جسم ہی جسم ہے، بس رسمی طور پر لوگ ان اعمال کو کر لیتے ہیں، ان چیزوں کی تصویر اور فوٹو ہی آپ کو ہر طرف نظر آئے گا، ہر جگہ ہر شعبہ میں حقیقت فوت ہوتی جارہی ہے، دل سے ان کی وقعت نکل گئی ہے ہم کوئی عمل کرتے ہیں تو ہم کو خیال بھی نہیں آتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے، اس کی بجا آوری پر خدا خوش ہوتا ہے، حالاں کہ اگر ان چیزوں کی وقعت اور حقیقت دل میں بیٹھ جائے تو بہت آسانی کے ساتھ شریعت کے تمام امور ہم سے انجام پائیں گے۔

ایک مرتبہ ممبئی میں احباب کے درمیان موت وحیات کے متعلق گفتگو کر رہا تھا، اثنائے گفتگو میں نے پوچھا آپ لوگ ممبئی جیسے پر شور شہر میں کیوں مقیم ہیں؟

یہاں ہر طرف برائی ہی برائی ہے، وطن سے دور، اہل وعیال سے دور، نہ رہنے کی آسانی، نہ کھانے، پینے کی فراوانی، ایک انتہائی گھٹے گھٹے ماحول میں آپ حضرات کیوں زندگی گذار رہے ہیں؟ وہ کہنے لگے حضرت روپیہ پیسہ کمانے آئے ہیں!

تو میرے دوستو! جب دنیا کی وقعت دل میں بس جاتی ہے، اہل وعیال کی ضرورتوں کی فکر دامن گیر ہوتی ہے تو انسان اپنی راحت اور آرام کو قربان کر دیتا ہے، رات دن ایک کر کے اپنی ضرورتوں کو پوری کرنے کے ہزار ہا جتن کرتا ہے۔

اسی طرح جب دین اور دینی اعمال کی وقعت دل میں جاگزیں ہوگی تو تمام اعمال ٹھیک اور بسہولت ادا ہوں گے ان کو درست کرنے کی فکر کرے گا، لوگوں سے پوچھ پوچھ کر اس بات کی کوشش کرے گا کہ میرا کوئی عمل اخلاص سے خالی نہ ہو، علماء ومشائخ کی صحبت میں جائے گا اپنے کو اپنے دل کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرے گا ہر کام وہ اخلاص نیت سے کرے گا، ریا، سمعہ سے دور رہے گا۔

وہ چاہے گا کہ میرے اندر للّٰہیت پیدا ہو، کوئی بھی فعل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف نہ ہو، اسے اس بات کی فکر ہو جائے گی کہ اگر میرا کوئی عمل مسنون طریقے کے خلاف ہوگا تو وہ مقبول نہیں ہوگا، اس کی بے بہا برکت سے محروم ہوں گا۔

دستور العمل

جناب مولانا ابن الحسن صاحب قاسمی استاذ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم نے ۲۰۱۰ء میں حضرت والا علیہ الرحمہ کے حکم سے سالکین کے لیے ایک دستور العمل مرتب کیا تھا، یہ دستور العمل حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ اور حضرت حکیم محمد اختر صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی کتابوں سے ماخوذ ہے، اس میں ذکر واذکار ، اشغال ومراقبہ کے ساتھ ساتھ تصوف کا ایک عمدہ تعارف بھی آ گیا ہے، ہم اس دستور العمل کو یہاں درج کرتے ہیں، اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت مسترشدین کی اصلاح کس انداز سے فرماتے تھے۔

تصوف کی حقیقت:

تصوف اور اصلاح نفس دین محمدی کا ایک اہم ترین فریضہ ہے، اعمال دینیہ میں جان اسی کے درست ہونے سے پڑتی ہے، اگر قلب اور نفس کی اصلاح نہیں ہوئی تو شریعت کے افعال صرف رسم اور صورت کا ایک مجموعہ ہوکر رہ جاتے ہیں، ان کے اندر حقیقت کی شان نہیں پیدا ہوتی، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار تاکید کے ساتھ باطن کو درست کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا. وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا. (الشمس:۹-۱۰)

جس نے نفس کو پاک کرلیا وہ کامیاب اور جس نے اس کو خراب کرلیا وہ ناکام ہوا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلَا اِنَّ فِي الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ. (صحیح البخاری: ۱/۲۰، حدیث: ۵۲)

سنو! بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے، سنو! وہ دل ہے۔

تصوف کا مقصد:

حضرات صوفیہ اور مشائخ محققین کے نزدیک تصوف کا مقصد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع ہے اور اس کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول ہے، یہی تصوف کا حاصل اور اس کی روح ہے۔

لیکن اس کے حصول کے لئے باطن کی اصلاح ضروری ہے، کیوں کہ شریعت کے اعمال خواہ ظاہری ہوں، مثلاً نماز، روزے، حج، زکوۃ، ماں باپ کی خدمت وغیرہ یا باطنی ہوں، جیسے ایمان، تصدیق، عقائد حقہ، صبر و شکر، توکل ورضا بالقضا، تفویض، اخلاص ومحبت خدا، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ، جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی رضامندی کا سبب ہیں، ان کی صحت باطن کے صحیح ہونے پر موقوف ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ایمان وعقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان ہی کی تکمیل کے لئے ہیں، پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے، دل بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور اعضاء اس کے لشکر یا غلام ہیں، اگر بادشاہ (دل) درست ہوجائے تو توابع (اعضاء) خود بخود اسکی مطابقت کرنے لگیں گے''۔ (شریعت اور طریقت: ۲۹۔۳۰)

تصوف کے مبادی:

مقصد تصوف کو حاصل کرنے کے لئے حضرات مشائخ نے کچھ کرنے کے کام متعین فرمائے ہیں، چونکہ مقصد عظیم ہے اس لئے حصول مقصد کے ذرائع بھی مہتم بالشان ہوں گے، اور مقصد کی تحصیل ضروری ہے، اس لئے ان ذرائع کو بجالانا بھی ضروری ہوگا۔ وہ ذرائع اور مبادی تین ہیں۔ (۱) بیعت وصحبت (۲) ریاضت ومجاہدہ (۳) اذکار، اشغال اور مراقبات۔

لیکن یہ یاد رہے کہ اصل مقصد باطن کی اصلاح کے ذریعہ حصول رضا ہے اور اس کی بجا آوری کے لئے جو اسباب وذرائع، فوائد وثمرات، اور ابتدائی تمہیدات اور بنیادی مقدمات ہیں، ان کا حصول مطلوب نہیں ہے، بلکہ مقصد کے حصول کے لئے ان کا برتنا ضروری ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''ہر مطلوب میں کچھ مبادی ہوتے ہیں، کچھ مقاصد، کچھ زوائد وتوابع، اصل مقاصد ہوتے ہیں، اور مبادی ان سے مقدم ہوتے ہیں مگر مقصود بالغرض اور زوائدان سے مؤخر مگر غیر مقصود ہوتے ہیں، اسی طرح اس طریق میں بعض مبادی ہیں، وہ چند علوم ومسائل ہیں جو موقوف علیہ ہیں بصیرت فی المقصود کے لیے، اور بعض مقاصد ہیں کہ وہی مقصود بالتحصیل ہیں، اور انہیں پر مدار ہے کامیابی وناکامی کا، اور بعض زوائد ہیں کہ ان کا وجود نہ معیار کامیابی ہے اور نہ فقدان معیار ناکامی''۔ (بصائر حکیم الامت: ص ۷۰۳)

بیعت وصحبت:

بیعت بھی اسی اصلاح باطن کے لئے کیا جاتا ہے، حضرات صوفیہ کا ہمیشہ اس پر عمل رہا ہے اور اصلاح کا یہ عمل خود حضور اکرم ﷺ سے ماثور ومنقول ہے۔

بیعت ہونے والے مریدین اور اس راہ پر چلنے والے سالکین کو بیعت ہونے سے پہلے اور اس طریق میں قدم رکھنے سے پہلے دو باتوں کو خوب سوچ لینا چاہئے۔

اوّل یہ کہ جب میدان میں قدم رکھے تو پہلی فرصت میں تمام گناہوں سے اچھی طرح توبہ کرلے، خواہ وہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ، اور جو حقوق اس کے ذمہ واجب تھے اور ادا نہیں کرسکا تو اس کو ادا کرنا شروع کردے۔

اگر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ہوں تو ان کی قضا شروع کردے اور اگر لوگوں کے کچھ حقوق ان پر ہوں تو ان کے ادا کرنے کی فکر میں لگ جائے یا صاحب حق سے معاف کرالے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ بیعت ہونے سے اس کا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی ہونا چاہئے، اور یہ اس وقت حاصل ہوگا جب اللہ کے سب احکام پر مضبوطی سے عمل کرتا رہے۔

اور اس کے علاوہ جو اور حالات وکیفیات ذکر وشغل اور مسلسل مجاہدہ کرنے سے اس راہ میں پیدا ہوتے ہیں، ان کی طرف قطعاً توجہ نہ دے بلکہ یہ حالات وکیفیات پیدا نہ ہوں تو ہرگز کسی قسم کا اندیشہ نہ کرے، ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے ذکر وشغل ہی چھوڑ بیٹھے کیوں کہ یہ حالات وکیفیات مقصود نہیں، مقصود تو صرف رضائے الٰہی ہے، شیخ ذکر وشغل کی پابندی سے یہی تعلیم دیتا ہے، پھر سالک بیعت ہونے کے بعد اگر فرصت ملے تو شیخ کی صحبت میں آتا رہے، کیوں کہ باطن کی اصلاح میں جس قدر صحبت کو دخل ہے کسی اور چیز کو دخل نہیں۔ (ماخوذ از قصد السبیل: ص/۵/۹/۱۳)

ریاضت ومجاہدہ:

سالک کو مقصد تصوف سے قریب کرنے کے لئے جن افعال واعمال کو تجویز کیا جاتا ہے ان میں سے ریاضت ومجاہدہ بھی ہے، حضور اکرم ﷺ ایک

حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَه. مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔

(السنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۲۱)

مجاہدہ درحقیقت مخالفتِ نفس کا نام ہے، چونکہ نفس طبعًا آزاد ہے، اعمال دینیہ کا پابند بنانا اس پر شاق اور گراں گذرتا ہے، اسی وجہ سے مخالفت نفس کو مجاہدہ کہا جاتا ہے، مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) اختیاریہ (۲) اضطراریہ۔

مجاہدۂ اختیاریہ:

یہ ہے کہ بندہ خود اپنے اختیار سے دنیا کی لذات کو کم کر کے اپنے نفس کے مقتضیات کو روک دیتا ہے اور"اخلاق حمیدہ" مثلاً صبر وشکر، عبادت وتوبہ وغیرہ کو اپناتا ہے۔

مجاہدۂ اضطراریہ:

یہ ہے کہ بندے نے خود اپنے اختیار سے تقلیل لذات نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی ناگہانی مصیبت اور آسمانی آفت میں مبتلا کر دیا، مثلاً اس کا کوئی بچہ تھا مر گیا جس پر اس نے صبر کیا۔

پھر مجاہدہ اختیاریہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) مجاہدہ نفسانی (۲) مجاہدہ جسمانی۔

مجاہدہ نفسانی یہ ہے کہ نفس پر جس وقت معصیت اور گناہ کا غلبہ ہو یا نفس میں کسی گناہ کا داعیہ پیدا ہو تو اسی وقت اس کی مخالفت کرے، حرص "طمع" لالچ

شہوت، غضب، حسد، بغض، کینہ، چغل خوری وغیرہ تمام اخلاق ذمیمہ سے نفس کو پاک وصاف رکھنے کی جدوجہد کرے، کیوں کہ نفس کو ان برائیوں سے پاک وصاف رکھنا واجب اور فرض ہے، مگر یہ آسان کام نہیں ہے، یہ وہ کوہ کنی ہے جس کے تصور سے فرہاد کا زہرہ بھی آب ہوجاتا ہے۔ البتہ پہلے سے اگر اس کی کچھ تدبیر کرلی جائے اور نفس کی بے تحاشہ خواہشات پر قدغن لگائی جائے، بلکہ اچھے اور جائز خواہشات پر بھی گرفت کی جائے اور اکثر مباح چیزوں میں بھی نفس کی مخالفت کی جائے تو عین تقاضۂ معصیت کے وقت اس کا مقابلہ کرنا آسان ہوگا۔

حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ بات اس وقت حاصل ہوگی جب کہ نفس کی جائز خواہشوں کی بھی کسی حد تک مخالفت کی جائے، مثلاً کسی لذیذ چیز کو جی چاہا تو فوراً اس کی خواہش نہ پوری کی جائے بلکہ اس کے تقاضے کو رد کردیا جائے، اور کبھی کبھی سخت تقاضے کے بعد اس کی جائز خواہشات پوری کردی جائے تاکہ نفس پریشان نہ ہوجائے بلکہ اس کو کسی قدر خوش رکھا جائے اور اس سے کام لیا جائے، اس لئے کہ:

ع:۔ مزدور خوش دل کار کند بیش

تو جب مباحات میں مخالفت نفس کے عادی بن گئے اس وقت معاصی کے تقاضے کی مخالفت پر آسانی سے قادر ہوگئے، اور جو شخص مباحات میں نفس کو

بالکلیہ آزاد رکھتا ہے وہ بعض اوقات تقاضائے معصیت کے وقت اس کو دبا نہیں سکتا۔ (شریعت اور طریقت: ص ۷۸۔۷۹)

اور مجاہدہ جسمانی یہ ہے کہ نفس کو مشقت برداشت کرنے کا عادی بنایا جائے اور جسم پر عبادت کا بار ڈال کر نفس کو رام کیا جائے، مثلاً نوافل کی کثرت سے نماز کا عادی بنایا جائے، پے درپے روزہ رکھنے سے طعام کی حرص کو کم کیا جائے، قلت کلام کا عادی بنا کر زبان کی حفاظت کی جائے اور تقلیل منام کا خوگر بنا کر ذکر وشغل کے ذریعہ قلب کو غافل ہونے سے روکا جائے، اور اختلاط مع الانام پر روک لگا کر قلب کو یکسوئی کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول رکھا جائے، درحقیقت یہ مجاہدہ نفس کشی کی تکمیل وتحصیل کے لئے کیا جاتا ہے۔

حضرات صوفیہؒ نے مجاہدہ نفسانی کی طرح اس پر بھی توجہ فرمائی ہے، لیکن اگر سالک کو بدوں مجاہدہ جسمانی نفس پر قدرت ہوجائے تو اس کو مجاہدہ جسمانی کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن مزید اپنی رائے کو اس میں دخل نہ دے، شیخ ہی اس کا اندازہ لگا سکتا ہے، پیر جو تجویز کرے اسی پر عمل کرے۔

اذکار، اشغال اور مراقبات:

مبادی تصوف میں تیسری اور سب سے اہم چیز اذکار واشغال ومراقبات ہیں، ذکر کا معنی ''اللہ کی یاد'' ہے اور شغل ''تصور ذکر'' کو کہتے ہیں اور مراقبہ ''تصور مذکور'' سے عبارت ہے۔

اذکار

اذکار کی دو حیثیت ہے ایک مقصود اور دوسرا مقصود و مطلوب کے لئے معاون اور ذریعہ، پہلی حیثیت کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اذْكُرُوْا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا. (سورہ احزاب)

اے ایمان والو! اللہ کا بکثرت ذکر کرو۔

ایک جگہ اور ارشاد فرماتا ہے:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيْفَةً وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ . (سورہ اعراف)

اور اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کیساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کیساتھ صبح وشام اور غافلوں میں سے مت ہو (بیان القرآن)

اور دوسری حیثیت کے متعلق آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

لِكُلِّ شَيْئٍ صِقَالَةٌ وَإِنَّ صِقَالَةَ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللهِ. (رواه البيهقى فى الدعوات الكبير: ١/ ٨٠ رقم الحديث: ١٩)

ہر چیز کا صیقل (چمکانے والا) ہے اور قلوب کا صیقل اللہ کی یاد ہے۔

حضرات مشائخ نے ذکر کو دونوں حیثیتوں سے اختیار کیا ہے، بطور مقصد کے انہوں نے اپنی پوری زندگی کو ذکر اللہ سے سرشار کر لیا یہاں تک کہ ذکر کا رنگ

ان پراس قدر چڑھا کہ انہیں دیکھ کر خدا یاد آنے لگتا ہے۔

لیکن اس مقصود تک پہونچنے کیلئے ذکر ہی کو بطور وسیلہ اختیار کیا گیا ہے، حضرات مشائخ اپنے مریدین کو کبھی جہراً کبھی سراً، کبھی کسی خاص ہیئت میں بیٹھ کر کبھی ''لا الٰــہ الّا اللہ ''اور کبھی صرف '' الّا اللہ '' کی ضرب لگانے کا حکم دیتے ہیں، کبھی قلبی ذکر کی تلقین کرتے ہیں تو کبھی زبان سے '' اللہ اللہ '' رٹاتے ہیں، ان سب کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ انسان کا دل ہر طرف سے یکسو ہو جائے، اور اللہ کی حضوری میں اسکا قلب ہر وقت مشغول رہے، اللہ کی یاد سے کبھی غفلت طاری نہ ہو۔

سرگردہ اولیاء حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں:

تمام اذکار واشغال ومراقبات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو ہر وقت اللہ کے حضور میں میسر رہے۔ (تذکرۃ الرشید: ج ۲ ص ۲۱)

اقسام ذکر اور ان کا دستور العمل:

سالک کے لئے ایک دستور العمل لکھا جاتا ہے کہ اگر معتد بہ وقت تک اخلاص کے ساتھ اس پر عمل کرتا رہا تو ''متاع گم شدہ'' جو زندگی کا اصل مقصود ہے، جس کی تعبیر حدیث کے اندر ''احسان'' سے کی گئی ہے، اس کو ضرور حاصل ہو جائے گی، اور تمام رذائل سے پاک وصاف ہو کر اللہ کے حضور ''قلب سلیم'' کے ساتھ حاضر ہوگا۔

ذکر کے لیے وقت متعین کرنا:

سب سے پہلے سالک اپنے شب وروز کے چوبیس گھنٹوں میں سے جس قدر آسان ہو''ذکر'' کے لئے کوئی وقت متعین کر لے،لیکن اس وقت کے متعین کرنے میں اس بات کا خیال ضرور رکھے کہ اس میں دل فکرو اندیشہ سے خالی ہو اور پیٹ نہ ہی زیادہ بھرا ہوا ہو اور نہ زیادہ بھوک لگی ہو کہ دل اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور اس بات کا بھی دھیان دے کہ ذکر میں کوئی چیز خلل انداز نہ ہو سکے، اس قدر تنہائی ہو کہ اگر رونے کی کیفیت پیدا ہو تو بلا تکلف رو سکے، مثلاً فجر سے پہلے کا وقت یا جو وقت مرید کے لئے آسان معلوم ہو۔ (ماخوذ از دستور تزکیۂ نفس:ص ۲۰-۲۱)

نماز توبہ:

جب ایسا کوئی وقت میسر ہو جائے اور ذکر کرنے کا ارادہ ہو تو اول نفل کی نیت سے دو رکعت نماز توبہ پڑھے، پھر استغفار کرے اور دیر تک اللہ کے سامنے اپنی عاجزی کو پیش کرے اور بالغ ہونے کے بعد سے اب تک جو جو گناہ ہوئے ہیں ان کا استحضار کر کے توبہ کرے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی اور اپنی اصلاح کی اور پھر اس پر زندگی بھر مداومت کی توفیق مانگے، اور تین یا سات بار یہ دعا پڑھے''**اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِکَ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ یَااَللّٰہُ یَااَللّٰہُ یَااَللّٰہُ**'' (دستور تزکیۂ نفس،شریعت اور طریقت)

ذکر نفی واثبات:

پھر دل جمعی سے بیٹھ کر خوش الحانی کے ساتھ ''اعوذ باللہ. بسم اللہ'' کے بعد تین بار کلمہ طیب اور ایک بار کلمہ شہادت پڑھے پھر دوسو (۲۰۰) بار ''لا الہ إلا اللہ'' سے ذکر شروع کرے ''لا'' کو قوت وسختی کے ساتھ دل کے اندر سے کھینچے اور ''الہ'' کو داہنے مونڈھے پر لے جا کر سر کو پیٹھ کی طرف مائل کرے اسی کے ساتھ دل میں یہ تصور جمالے کہ دل سے غیر اللہ کو نکال دیا۔ پھر ''اِلَّا اللہ'' کے ذریعہ دل پر ضرب لگائے اور یہ تصور کرے کہ دل میں عشق الٰہی اور نور الٰہی داخل ہو رہا ہے، نو بار ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ'' کہے اور دسویں مرتبہ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ'' کہے اس کے بعد تین بار کلمہ طیب اور ایک بار کلمہ شہادت پڑھے۔ (قصد السبیل، شریعت اور طریقت)

ذکر اثبات مجرد:

جب نفی واثبات کا ذکر مکمل کرلے تو صرف اثبات یعنی ''اِلَّا اللہ'' کا ذکر کرے اس طور پر کہ سر کو داہنے مونڈھے پر لے جا کر ''اِلَّا اللہ'' کے ذریعہ دل پر ذرا زور سے ضرب لگائے اور یہ تصور کرے کہ صرف اللہ دل میں باقی ہے، ماسوا سب غائب ہوگئے اس کو بھی چارسو (۴۰۰) مرتبہ پڑھے، اس کے بعد تین بار کلمہ طیب اور ایک بار کلمہ شہادت پڑھ لے۔ (ایضاً)

ذکر اسمِ ذات:

جب یہ ذکر کرلے تو لفظ ''اَللہُ اَللہ'' کا ذکر کرے اس طرح کہ اللہ

اللہ میں پہلے اللہ کے ''ھَاء'' کو پیش اور دوسرے اللہ کے ''ھَاء'' کو جزم یعنی سکون کے ساتھ پڑھے، اس ذکر میں بھی سر کو داہنے مونڈھے پر لے جا کر اللہ اللہ کے ذریعہ دل پر جہر اور زور سے ضرب مارے، اس ذکر کو چھ سو (۶۰۰) بار برابر پڑھتا رہے لیکن دسویں یا گیارہویں مرتبہ ''اَللّٰہُ حَاضِرِیْ. اَللّٰہُ نَاظِرِیْ. اَللّٰہُ مَعِیْ'' ترجمہ: اللہ میرے پاس ہیں، اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں، اللہ میرے ساتھ ہیں، کہتا رہے پھر اس کے بعد تین بار کلمہ طیب اور ایک بار کلمہ شہادت پڑھے، اس ذکر کو ''دوضربی ذکر'' کہتے ہیں۔ (ایضاً)

یک ضربی ذکر:

پھر اس کے بعد ایک ضربی ذکر کرے یعنی صرف ''اللہ'' کے ذریعہ ذکر کرے کہ سر کو داہنے مونڈھے کی طرف موڑ کر لفظ ''اللہ'' سے دل پر ضرب لگائے اس کو سو (۱۰۰) مرتبہ دمادم کرے، بعدہٗ تین بار کلمہ طیب اور ایک بار کلمہ شہادت پڑھ کر، گیارہ بار درود شریف اور گیارہ بار استغفار پڑھ کر نہایت آہ وزاری سے اللہ سے دعا مانگے اور مناجات کرے۔ (ایضاً)

یہ کل تیرہ تسبیحیں ہوئیں مگر ان کا نام بارہ تسبیحیں رکھا جاتا ہے، سالک اس بات کا خیال ضرور رکھے کہ ذکر میں جو سر کو مونڈھے تک لے جانے اور دل پر زور سے ضرب لگانے کی تدبیر بتائی گئی ہے، وہ دل میں گرمی پیدا کرنے کے لئے بطور علاج تجویز کیا گیا ہے، اس میں ثواب کا اعتقاد نہ رکھے ہاں! اسم ذات

پاک کے ذکر میں ثواب بھی ہے اور دنیوی اخروی بے شمار فوائد بھی ہیں جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

مقصد ذکر:

ان مختلف طریقوں سے اللہ کا نام رٹانے سے اصل مقصد اس نام کو دل میں راسخ کرنا ہے، یہ طریقے فی نفسہٖ مقصود نہیں ہیں، اسی کے لئے ضربیں لگائی جاتی ہیں، چلوں کا حکم دیا جاتا ہے اور خلوت میں رہنے کی تاکید کی جاتی ہے، جب اللہ کا اسم دل میں جم جائے گا، اس کی حلاوت اور شیرینی حاصل ہوجائے گی تو پھر اس اسم مسمّٰی تک رسائی ہوجائے گی، اور مسمّٰی ہی کو دل میں بسانا ان ذکر واذکار اور تصوف کا حاصل ہے اس کے علاوہ اور جو کچھ اختیار کیا جاتا ہے، اس کی حیثیت زوائد سے زیادہ نہیں۔

زبدۃ السالکین قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''بعض نے اس (اللہ کی) حضوری کے بھی دو درجے کردیئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اسم ذات مخیلہ (قوت خیالی) میں قائم ہوجائے پھر اس سے مسمّٰی کی طرف آسانی سے راستہ مل جاتا ہے، یہ جو بزرگوں نے چلہ وغیرہ کا طریقہ ایجاد کیا تھا اس کا بھی مطلب یہی تھا کہ کوئی دوسرا خیال اور نقش مخیلہ (قوت خیالی) پر نہ پڑے''۔ (تذکرۃ الرشید: ج۲/ص۱۲)

گویا کہ سالک ہر طرف سے یکسو ہوکر اپنے دل وخیال میں صرف اور صرف اللہ کا خیال جمائے، ماسوا اللہ دل سے زائل ہو جائے، اور دل میں صرف اللہ کا خیال جم جائے، اس مرتبہ تک پہونچنے کے لئے بتدریج محنت ومشقت کرنے کی ضرورت ہے، طاعت وذکر پر مسلسل مداومت کرنا لازم، معصیت وغفلت سے دور رہنا ضروری، کیوں کہ معصیت سے طاعت فوت ہو جاتی ہے اور غفلت سے ذکر مختل ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے حضرات مشائخ مبتدی سالک کو جس کے دل میں اغیار کے خیالات رہتے ہیں ابتداءً ''لاالٰــہ الااللہ'' کے ذکر کی تعلیم کرتے ہیں تاکہ آہستہ آہستہ اس کے دل سے اغیار کا خیال زائل ہو جائے اور دھیرے دھیرے اللہ کا خیال اس کے دل میں بس جائے، حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بارہ تسبیح میں اوّل ''لاالٰــہ الااللہ'' کی تعلیم ہے یہ مبتدی کے لئے مناسب ہے کیوں کہ اس کے دل میں ابھی اغیار بھرے ہوئے ہیں تو اس (سالک) کو چاہیئے کہ ان کو ذہن میں پیش کرکے تیغ ''لا'' سے نفی کرے، جب ان کی نفی ہوگئی اور دل اغیار سے خالی ہوگیا تو صرف ذکر اثبات ''إلا اللہ'' مناسب ہے، مگر اثبات میں بھی ایک گونہ استحضار ہے اس لئے اس کے بعد اَللّٰہُ اَللّٰہُ بتلاتے ہیں، جس میں محض ذات حق پر توجہ ہوتی ہے مگر اس میں بھی توجہ بواسطہ اسم کے ہے، اس لئے بعضے مشائخ اس کے بعد ذکر ''ھــوھــو'' کی تعلیم

کرتے ہیں جس میں ذات پر توجہ رہتی ہے اسم کا بھی واسطہ نہیں رہتا‘‘۔ (شریعت اورطریقت:ص/۲۹۰۔۲۹۱)

ذکر میں اعتدال:

افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال اور توسط اختیار کرنا تمام دینی اعمال میں ضروری ہے، یہی اعتدال اور توسط ذکر میں بھی مطلوب ہے، ذکر سے اپنے آپ کو ہلاک کرنا نہیں بلکہ رفتہ رفتہ قلب میں ذات حق کو راسخ کرنا ہے اور نفس کو ذکر کا عادی بنانا ہے اسی واسطہ حضرات مشائخ اپنے آپ ذکر کرنے سے یا اس میں کمی زیادتی کرنے سے، اور از خود ہیئت وکیفیت میں تبدیلی کرنے سے منع کرتے ہیں، بلکہ جہر وضرب میں بھی اعتدال کی تاکید کرتے ہیں، کیوں کہ بے اعتدالی سے بجائے فائدہ پہونچنے کے الٹا جسمانی وروحانی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور دل ودماغ میں طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

امت کے طبیب وحکیم حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

’’جہر میں یہ حکمت سمجھی گئی ہے کہ اس سے وساوس وخطرات کم آتے ہیں سو یہ فائدہ خفیف جہر سے بھی حاصل ہے اسی طرح ضرب بھی قربت اور عبادت نہیں ہے، اس میں ایسی ہی طبی حکمت ہے وہ یہ کہ حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور حرارت سے رقت اور رقت سے تاثر، اور تاثر معین ہوتا ہے اطاعت ومحبت میں، اور وہ مقاصد میں سے ہے پس ضرب ذریعہ مقصود ہونے سے

مقصود بالغیر بن جاتا ہے لیکن زیادہ ضرب سے قلب میں خفقان پیدا ہونے کا ڈر ہے، لہٰذا اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ (قصد السبیل:ص/۱۳)

بلکہ ذکر میں گردن دائیں اور بائیں لے جانے میں بھی اعتدال کی راہ اپنائے کیوں کہ:۔

''پہلے زمانہ میں لوگ طاقت ور تھے اور دماغ ان کے مضبوط تھے اس کی سہار کر لیتے تھے بلکہ بوجہ طاقت ور ہونے کے بدوں اس کے ان میں ذکر کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا، اس لئے ان کو اس کی ضرورت تھی۔۔۔اور اب لوگ کمزور ہیں ہلکی ضرب سے بھی دل میں اثر پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے اب ایسا نہ کیا جاوے ورنہ دماغ کے خراب ہونے کا ڈر ہے''۔ (تسہیل قصد السبیل:ص/۱۸)

حضرت حکیم الامت کا تجویز کردہ دستور العمل:

حکیم الامت مجدد ملت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے ''قصد السبیل'' میں عام سالکین کے لئے خواہ مرید ہوں یا نہ ہوں مگر وہ باطنی اصلاح چاہتے ہوں تو ان کے لئے ایک دستور العمل مرتب کیا ہے جو نہایت کارآمد ہے، خود ہی فرماتے ہیں:

''غالب نافع ہونے کے اعتبار سے میرے نزدیک عطر
تصوف کہنے کے قابل ہے، اس کے موافق عمل کرنے والا
محروم نہ رہے گا'' (قصد السبیل)

عموماً سالک چار قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) ایک وہ عامی اور ناخواندہ آدمی جو اپنے کام میں مشغول ہو۔

(۲) دوسرا وہ عامی غیر عالم آدمی جو کسی کام میں مشغول نہ ہو فارغ البالی کے ساتھ زندگی گذار رہا ہو۔

(۳) تیسرا وہ عالم آدمی جو درس و تدریس یا کسی اور کام میں مشغول ہو۔

(۴) چوتھا وہ عالم آدمی جو فارغ ہو کسی قسم کی مشغولیت نہ ہو۔

ان میں سے ہر ایک کیلئے الگ الگ دستور العمل لکھا جاتا ہے اگر ایک معتد بہ مدت تک اس کے موافق عمل کرتا رہا تو اس کے فوائد سے محروم نہ ہوگا۔ (انشاءاللہ)

عامی مشغول کا خاص دستور العمل:

اول عقائد و مسائل ضروریہ سیکھے اور بہت اہتمام سے اس کا پابند رہے اور جوئی بات پیش آئے علماء سے پوچھے اگر ممکن ہو تو تہجد اخیر شب میں پڑھے ورنہ عشاء کے بعد ہی وتر سے پہلے کچھ نفلیں بجائے تہجد کے پڑھے، اور بعد پانچ نمازوں کے یا جن کے بعد فرصت ہو، سبحان اللہ سو (۱۰۰) بار اور ''لا الہ الا اللہ'' سو (۱۰۰) بار اور سوتے وقت استغفار سو (۱۰۰) بار پڑھا کرے اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے درود شریف زبان سے جاری رکھے اور اگر قرآن مجید پڑھا ہوا ہو تو روزانہ کسی قدر قرآن پاک کی تلاوت بھی کرلیا کرے۔

عامی فارغ کا خاص دستور العمل:

عامی فارغ کا خاص دستور العمل بھی وہی ہے جو عامی مشغول کے لئے بیان کیا گیا مگر اتنے اموراور زائد ہیں، اگر ممکن ہو تو پیر کی خدمت میں جا پڑے، اگر پیر کے پاس نہ رہ سکے تو اپنے وطن ہی میں رہے خواہ گھر میں یا کسی مسجد میں، مگر جہاں تک ہو سکے خلق (یعنی لوگوں) سے علیحدہ رہے جب تک کوئی دنیا یا دین کی ضرورت نہ ہو مخالطت (میل جول) نہ کرے، تنہائی میں جو وقت اپنی ضرورت اور آرام سے بچے اس میں قرآن کریم کی تلات مع مناجات مقبول خواہ نوافل خواہ درود شریف خواہ استغفار میں مشغول رہے اور اگر کچھ خواندہ ہو تو تھوڑے وقت میں دین کی کتابیں بھی جو اردو میں ہیں کسی معتبر عالم کو دکھا کر مطالعہ کرے، جہاں شبہ رہے کسی محقق عالم سے پوچھ لے، کبھی کبھی نفلی روزہ بھی رکھ لیا کرے۔

عالم مشغول کا خاص دستور العمل:

اوقات فارغہ میں کوئی وقت ایسا جس میں افکار وتشویشات سے کسی قدر خالی ہو اور معدہ پر نہ ہو، بھوک کا تقاضہ بھی نہ ہو، متعین کر کے اس میں بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جس قدر ممکن ہو خلوت میں بیٹھ کر اسم ذات یعنی ''اللہ اللہ'' باوضو خفیف جہر یعنی آواز وضرب کے ساتھ قلب کو متوجہ کر کے پڑھا کریں، اور تہجد کی پابندی کریں، اور کسی وقت قرآن کریم کی تلاوت اور مناجات مقبول کی اصل عربی کی ایک منزل کا التزام رکھیں، اور اگر مدرس ہیں فبہا ورنہ ایک معتد بہ

وقت تدریس طلبہ علم دین میں ضرور صرف کریں اور گاہ گاہ ضروری احکام کا وعظ کہہ دیا کریں، شیخ سے دور رہ کر شغل نہ کریں البتہ وہ تجویز کرے تو مضائقہ نہیں۔

عالم فارغ کا خاص دستور العمل:

چند روز جس قدر میسر ہو شیخ کی خدمت میں رہ کر مشغول ذکر رہیں اور ان کے لئے اذکار میں سے اس قدر کافی ہیں یعنی ''لاالــہ الااللہ'' دوسو(۲۰۰) بار''الااللہ'' چارسو(۴۰۰) بار، اور''اللہ اللہ''، بضم ہائے اوّل وسکونِ ہائے ثانی چھ سو(۶۰۰) بار اور صرف''اللہ'' سو(۱۰۰) بار، ان کو اصطلاح میں بارہ تسبیحیں کہا جاتا ہے، یہ تمام تفصیلات حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمہ کی کتاب ''قصد السبیل: ص/۱۰ سے ص/۱۲ تک'' سے لی گئی ہے، اگر سالک اس پر عمل کرنا چاہے تو شیخ کو اس کی اطلاع ضرور کرے کیوں کہ وہ حکیم وطبیب ہے، مرید کی صحیح حالت کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے، پھر جو وہ تجویز کرے اس پر دل وجان سے عمل کرے۔

اشغال:

کوئی بھی کام ہو جب تک اس میں انہماک اور یکسوئی نہیں ہوگی اور دل کی توجہ کسی ایک عمل پر مرکوز نہ کر لی جائے اس وقت تک خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوتی ہے، دل کی یہی یکسوئی حاصل کرنے کے لئے اور خیالات کو صرف ایک نقطہ پر جمانے کے لئے حضرات مشائخ مریدین کے لئے کچھ عمل تجویز فرماتے ہیں جن کو ان کی اصطلاح میں ''اشغال'' کہا جاتا ہے۔

حقیقتاً یہ بھی اللہ کے تصور اور اس کے دھیان کو مستحضر کرنے کے لئے ایک طریقہ ہے جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے افکار وانتشار سے قلب پاک ہوجاتا ہے اور اس سے دل کی جمعیت اور خیال کی یکسوئی حاصل ہوتی ہے، یہ بذات خود مقصود نہیں ہے۔

شغل کی حقیقت:

شغل کی حقیقت کیا ہے؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''اشغال کا مقصود اصلی یہ ہے کہ قلب کا انتشار جو بوجہ تشویش افکار کے ہے دفع ہوکر جمعیت خاطر اور خیال کی یکسوئی حاصل ہوتا کہ اس کے خوگر ہونے سے توجہ تام الی اللہ جو کہ مبتدی کو بوجہ غیب ہونے مدرک کے اور مزاحم ہونے افکار مختلفہ اور حسیات حاضرہ کے متعذر رہے، سہل ہوجائے اشغال مختلفہ اسی کے حیل اور طریق ہیں''۔ (شریعت اور طریقت: ص/۲۹۸)

حاصل یہ ہے کہ رات دن کے مشاغل کی وجہ سے طرح طرح کے جو افکار وانتشار ذہن وخیال میں پیدا ہوجاتے ہیں، ان کو دور کرکے اللہ کے خیال کو غالب کرنے کے لئے جو جو عمل کیا جاتا ہے اسی کو اشغال کہا جاتا ہے دوسری جگہ مزید وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

’’غرض جتنے اشغال ہیں وہ جمع خاطر ہی کے لئے ہیں، مقصود بالذات نہیں، اور اس میں مشائخ نے یہاں تک وسعت کی ہے کہ جوگیوں تک سے بعض اشغال لئے ہیں، مثلاً حبسِ دم جو جوگیوں کا شغل ہے، مگر چونکہ یہ ان کا مذہبی شعار نہیں، اور خطرات دفع کرنے کے لئے نافع ہے، اس لئے اس کو بھی اپنے یہاں لے لیا ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں، نہ اس میں تشبہ ممنوع ہے، کیوں کہ جو چیز کسی دوسرے فرقہ کا نہ مذہبی شعار ہو نہ قومی، محض کے درجہ میں ہو اس کو تدبیر ہی کی حیثیت سے کسی نفع کے لئے اختیار کرنے میں کوئی محذور شرعی نہیں ہے، چونکہ حبسِ دم بھی دفع خواطر کی محض ایک طبی تدبیر ہے اس لئے اس کا استعمال جائز ہے‘‘۔ (شریعت اور طریقت: ص/۲۹۸)

شغل کی ضرورت:

مریدین کے فطری اور باطنی احوال چونکہ مختلف ہوتے ہیں، کسی کو شغل کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی کو سرے سے اس کی حاجت ہی نہیں رہتی، اب ضرورت کب اور کس کو پڑے گی؟ اس کا اندازہ کوئی شیخ محقق عارف ہی لگا سکتا ہے، مرید اپنے آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مرید کو از خود کوئی شغل کرنے سے منع کیا جاتا ہے، بلکہ شیخ سے دور رہ کر بھی اشغال نہیں کرنا

چاہیے، کیوں کہ اس سے نفع کے بجائے نقصان پہونچے گا۔

بہر حال شغل کی ضرورت کب اور کس سالک کو پڑتی ہے خود حکیم الامت شیخ محقق عارف کامل حضرت تھانویؒ کی زبانی سن لیجئے جن کی حذاقت اور حکمت کا ایک جہاں قائل ہے:

''ذکر کے وقت اگر قلب میں جمعیت اور خشوع معلوم ہو اور وہ روزانہ بڑھتی جائے اور وساوس وخطرات میں کمی ہونے لگے اور دل لگا کرے تب تو اشغال کی حاجت نہیں، اور ایک مدت تک ذکر کرنے سے قلب میں یکسوئی وخشوع نہ ہو تو مناسب ہے کہ کوئی شغل کرلیا کرے''۔ (شریعت اور طریقت: ص؍۲۹۹)

شغل کی قسمیں:

اشغال تو بے شمار ہیں لیکن حضرات مشائخ سالک کے حق میں جس شغل کو انفع اور سہل تر جانتے ہیں وہی اس کے لئے تجویز کرتے ہیں اور اگر کسی شغل کو مضر دیکھا تو اس سے روک دیتے ہیں، اب حضرات صوفیہؒ اپنے مزاج کے اعتبار سے کسی شغل کو سالک کے لئے مفید سمجھتے ہیں اور کسی شغل کو کم نافع یا مضر: جیسے کہ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

میرے نزدیک سب سے زیادہ مفید اور سہل تر شغل ''شغل انحد'' ہے۔

شغل انحد :

اس شغل کو ''ذکر سرمدی'' بھی کہا جاتا ہے اور اسی کو ''سلطان الاذکار'' سے بھی موسوم کرتے ہیں اس شغل کا طریقہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

از سر تا قدم بہر بُنِ موئے وجود	سر سے قدم تک اپنے وجود کے ہر بُن
خود بجمیع ہمت متوجہ شود یعنی	موے سے پوری ہمت کیساتھ متوجہ ہو
بداند کہ در آمد ورفت نفس از ہر	یعنی تصور کرے کہ سانس کے آنے
بن موئے ''اللہ ہو'' جاری	جانے میں ہر بال کی جڑ سے ''اللہ ہو''
است۔ (ضیاء القلوب)	جاری ہے۔

اس شغل کی تفصیلی جانکاری حضرت اقدس تھانویؒ سے حاصل کیجئے، وہ اگر چہ اقتباس ذرا طویل ہے مگر فائدے سے خالی نہیں، فرماتے ہیں:

''اس کا اچھا وقت آخر شب ہے اس کے بعد دوازدہ تسبیح پر جب ایک چلہ گذر جائے اس وقت شروع کرنا چاہئے لیکن حبس نہ کرے، آج کل اکثر اس سے قلب ودماغ دونوں ماؤف ہوجاتے ہیں، صرف آنکھیں ویسے ہی بند کرلے، اور کانوں کو انگشت شہادت سے ذرا زور سے بند کرے، اس سے کان میں ایک صوت ''لَاتَـقِفُ عِنْدَ حَدٍّ'' پیدا ہوگی اس آواز کی طرف قلب کو متوجہ رکھے، اور زبان یا قلب سے اسم ذات کا ورد رکھے تاکہ اتنا وقت غفلت میں نہ گذرے،

کیوں کہ اس صوت میں مشغول ہونا ذکر نہیں، کیوں کہ یہ صوت نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی صفت تو ہے نہیں، جیسا بعض کو دھوکہ ہوگیا ہے، بلکہ عالم غیب میں سے کسی مخلوق کی بھی نہیں، صرف اسی کے دماغ میں ہوا بند ہوکر متموج ہونے لگتی ہے۔ باوجود اس کے پھر اس کی طرف مشغول کرنا صرف اس لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ صورت محسوس اور لذیذ ہے بلکہ بعض اوقات اس کے اندر نہایت دلفریب آوازیں پیدا ہوتی ہیں کہ مشاغل کو محو کردیتی ہیں، اور محسوس ولذیذ چیز کی طرف متوجہ ہونے سے طبعًا دوسرے خطرات کم ہوجاتے ہیں تو اس سے ذہن کو ایک طرف توجہ تام کرنے کی عادت ہوتی ہے، پھر شغل چھڑا کر اس توجہ کو مقصود حقیقی تک منصرف کردیتے ہیں، جس کی طرف اولاً متوجہ ہونا بوجہ اس کے غائب عن الحواس ہونے کے احیاناً محتاجِ تلف تھا''۔ (قصد السبیل: ص/۱۶)

شغل اسم ذات:

اس شغل کو بھی یکسوئی حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ ''اللہ'' موٹے حرفوں میں کاغذ وغیرہ پر لکھ کر اس طرح نگاہ جمائی جائے کہ پلک تک نہ جھپکے اس سے دل میں یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور کچھ ایسے اثرات طاری ہوتے ہیں، جن سے ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے اور پھر قلب تشویشات سے خالی ہوکر ہمہ وقت متوجہ بحق رہتا ہے۔ اس کا یہی طریقہ کتب تصوف میں مذکور ہے:

آنکہ در پارچہ کاغذ شکل قلب صنوبری برنگ سرخ یا نیلگوں کشیدہ دراں لفظ ''اللہ'' بآب طلایا نقرہ نویسد و پیوستہ نظر براں دارد تاکہ نقش ایں اسم در دل پدید آید یا صورت وہمی را بر صفحہ دل بنویسد ومدام متوجہ بآں باشد تا غیب از حواس پدید آید۔ (تعلیم الدین: ص/۸۶)	وہ شغل یہ ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے پر قلب صنوبری کی شکل سرخ یا نیلگوں کھینچ کر اس پر آب زر یا نقرئی (یعنی چاندی کے پانی سے) لفظ ''اللہ'' لکھے اور ہمیشہ اس پر نظر رکھے تاکہ اس نام کا نقش دل پر جم جائے، یا وہمی صورت دل پر لکھ لے اور ہمیشہ اس طرف متوجہ رہے تاکہ حواس سے غیب ظاہر ہو جائے۔

شغل حبس بصر:

اس کا مقصد بھی یکسوئی حاصل کرنا ہے، اس شغل کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف نگاہ جما کر دیکھا جائے کہ دوسرے تمام خیالات سے یکسوئی ہو جائے، پھر اس چیز سے نگاہ ہٹا کر ذات حق کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حبس البصر، ربط النظر، لاجتماع الخواطر، ایک شغل ہے کہ کسی چیز کی طرف نگاہ جما کر دیکھا جاوے، مقصود اس سے اور جمیع اشغال سے اجتماع خواطر ویکسوئی ہوتی ہے، نیز تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اس عمل سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ (طریقت اور شریعت: ص/۳۰۲)

اس عمل کا اثبات حدیث نبوی ﷺ سے ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یَا اَنَسُ اِجْعَلْ بَصَرَکَ حَیْثُ تَسْجُدُ. (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/۴۰۳ رقم الحدیث: ۳۵۴۵)

اے انسؓ! اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ رکھو۔

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی صفت اس طرح بیان کی گئی ہے:

فِیْ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللہِ ﷺ لَایُجَاوِزُ بَصَرُہٗ اِشَارَتَہٗ. (اخرجہ ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۹۰)

نماز میں رسول اللہ ﷺ کی نگاہ آپ کے اشارہ (بالسبابہ) سے آگے نہ بڑھتی تھی۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نماز میں نگاہ کا کسی ایک نقطہ پر مرکوز رکھنا افضل ہے کیوں کہ اس سے خواطر کا اجتماع اور دل کی یکسوئی ہوتی ہے، جیسا کہ تجربہ اس کا شاہد ہے، ذکر میں یہی یکسوئی اور اجتماع خواطر حاصل ہونے کے لئے حضرات صوفیہ بھی اس عمل کو اختیار کرتے ہیں، جس کو ان کی اصطلاح میں ''حبس بصر'' کہا جاتا ہے۔

حبس دم:

انھیں اشغال میں سے ایک شغل ''حبس دم'' ہے یہ حقیقتاً جوگیوں کا

طریقہ ہے لیکن بعینہ ان کے طریقے پر نہیں لیا گیا ہے بلکہ حضرات مشائخ نے اس میں تصرف کر کے اس کی ہیئت تبدیل کردی ہے، بس معمولی درجہ میں سانس روکنے کا عمل کیا جاتا ہے تا کہ سینے میں سانس کے تموج کی وجہ سے کسی قدر گرمی پیدا ہو کر فاسد رطوبات جل جائیں اور اس سے یکسوئی پیدا ہو۔

اب تو مشائخ نے اس کو بالکل ترک کر دیا ہے کیونکہ اب قُویٰ پہلے جیسے مضبوط نہیں ہیں، قلب و دماغ دونوں کے ماؤف ہوجانیکا خطرہ ہے، **والعلم عنداللہ.**

نوٹ:۔ اگر شیخ محقق کامل ان کے علاوہ کوئی اور شغل مناسب تجویز کرے سالک اس پر عمل کرے اس باب میں اپنی رائے کو ہرگز دخل نہ دے۔

مراقبات:

مراقبہ پورے تدبر اور کامل غور وفکر کو کہتے ہیں، یہ بھی حضرات صوفیہؒ کی اصطلاحات میں سے ہے، اس اصطلاح کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات یا کسی اور مضمون کا اکثر احوال یا محدود وقت تک دل سے پورے غور وفکر اور اہتمام کے ساتھ اس نیت سے خیال جمانا کہ اس کے غلبہ سے اس کے مقتضاء پر عمل ہونے لگے، یہی عمل مراقبہ کہلاتا ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّه' يَرَاكَ. (رواہ مسلم)

احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اور ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:

اِحْفَظُ اللّٰہَ تَجِدْہُ تُجَاھَکَ. اللہ تعالیٰ کا دھیان جمائے رکھو اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔

(رواہ احمد رقم الحدیث: ۲۶۷۰ والترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۶)

مراقبہ کی حقیقت:

مراقبہ کی حقیقت یہ ہے کہ سالک اللہ تعالیٰ کا استحضار اس طرح رکھے گویا کہ اسے دیکھ رہا ہے، اپنے سامنے پا رہا ہے، اور یہ کیفیت اسی وقت پیدا ہوگی جب اس کا گہرا تصور اور کامل تعلق سالک کو حاصل ہو جائے ،اس کے بغیر استحضار تقریباً ناممکن ہے، اسی بات کو مذکورہ بالا حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے۔

اسی کامل تعلق اور گہرے تصور کو حاصل کرنے کے لئے مشائخ صوفیہؒ مختلف مراقبات تجویز فرماتے ہیں، ان مراقبات کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ناقص اور نا تمام تصور جو کبھی ذہن میں حاضر ہوتا ہے، اور اکثر اوقات غالب رہتا ہے، راسخ ہو جائے، مشائخ چونکہ اس تصور میں راسخ ہوتے ہیں اسی رسوخ کی وجہ سے وہ عوام سے ممتاز ہیں، بذات خود مقاصد تصوف میں سے نہیں ہیں۔

مشارطہ اور محاسبہ:

دو چیزیں اور ہیں، جو ہیں تو مراقبہ ہی سے متعلق، مگر ان دونوں کا الگ الگ نام ہے، ایک مراقبہ سے پہلے ہے جس کو مشارطہ کہا جاتا ہے اور دوسرا مراقبہ کے بعد ہے جس کا نام محاسبہ رکھا جاتا ہے۔

مراقبہ سے پہلے مشارطہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ روزانہ صبح کو اٹھ کر تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنے نفس کو خوب فہمائش کرے اور اس بات کی تلقین کرے کہ دیکھو! فلاں فلاں کام کرنا اور فلاں فلاں کام مت کرنا، اس کے بعد دن بھر صبح کو دی ہوئی ہدایات کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتا رہے۔

پھر جب دن ختم ہو جائے تو سوتے وقت صبح سے شام تک جو اعمال کئے ہیں ان کا محاسبہ کرے اور تفصیلی جائزہ لے، جو کام نیک ہوں ان پر شکر الٰہی بجالائے اور جو برے کام صادر ہوئے ہوں اس پر نفس کو ملامت کرے، اگر صرف زجر وتوبیخ کافی نہ ہو تو کچھ سزا تجویز کرے اس کو عمل میں لائے، اسی طریقۂ کار کو محاسبہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ محاسبہ کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ. (سورۃ الحشر: ۱۸)

چاہیئے کہ ہر شخص غور کرلے کہ کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے؟

مراقبہ کی قسمیں:

مراقبات بہت سے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مشائخ اپنے سالکین کو مختلف

مراقبات تجویز کرتے ہیں، کبھی کسی کو خاص صفت کا مراقبہ تلقین کرتے ہیں کبھی محض ذات حق کا مراقبہ، کسی کے لئے موت کا مراقبہ، تو کسی کے لئے قیامت کا مراقبہ۔

مگران سب کا مقصود ایک ہے کہ حق تعالیٰ کی حضوری، ان کی محبت، ان کی یاد اور ان پر کامل توکل حاصل ہو جائے ، اس استحضار سے انسان کے اندر اللہ تعالیٰ سے حیا کی صفت پیدا ہوتی ہے، جس کی وجہ سے معاصی سے بچنا آسان ہوتا ہے، اور طاعات کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

چند مراقبات ذکر کئے جاتے ہیں لیکن سالک شیخ کے مشورہ کے بعد ہی اس پر عمل کرے یا خود ہی شیخ کوئی مراقبہ تجویز کرے۔

مراقبہ محبت حق:

اس مراقبہ کی حقیقت یہ ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر یہ سوچے کہ حق تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے اور حق تعالیٰ مجھ کو چاہتے ہیں، اس کا خوب استحضار کرنا چاہئے ، اس کی برکت سے سالک کے قلب میں بھی حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے گی اور یہ اعمال مقصودہ میں سے ہے۔

یہ مراقبہ سالک کے لئے بیحد مفید ہے اس سے بندہ کے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور حق تعالیٰ سے تعلق مضبوط اور گہرا ہو جاتا ہے، اگر بندے کو کوئی پریشانی یا مصیبت لاحق ہوتی ہے تو اس مراقبہ سے فوراً سکون اور اطمینان ہوتا ہے۔

مراقبہ رزق:

اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو بے فکری کے ساتھ رزق عنایت فرمادے اور کچھ کھانے کو دے دے تو یہ بہت بڑی نعمت ہے؛ لیکن اس میں ایک مضرت یہ ہے کہ اس آرام وچین کی نعمت سے تکبر، ناز، عجب، غرور، غفلت، غریبوں کی تحقیر، کمزوروں پر ظلم وزیادتی پیدا ہوتی ہے۔

اس کے تدارک کے لئے ضروری ہے کہ بندہ تدبر وتفکر اور مراقبہ ومحاسبہ سے کام لے اور اکیلے میں بیٹھ کر یہ سوچا کرے کہ میں تو کسی لائق ہوں نہیں! میرے اندر کوئی کمال بھی نہیں، پھر بھی اس نے اتنی ساری نعمتیں دیں، یہ محض اس کا فضل وکرم ہے، بلکہ اپنے گناہوں کی طرف نظر کر کے یہ سوچے کہ میں تو گنہگار ہوں سزا کا مستحق تھا لیکن اس کریم مالک نے سزا دینے کے بجائے مجھے ان نعمتوں سے نوازا، یہ صرف اس کا احسان ہے۔

مراقبۂ موت:

آدمی تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر سوچ لیا کرے کہ مجھے مرنا ہے پھر قبر میں جانا ہے، قبر میں سانپ، بچھو ہیں یا جنت کے باغات، اگر اچھا عمل کر کے جائے گا تو اس کی قبر اس کے لئے جنت کا باغ ہے اور اگر برے عمل کرے گا تو اس میں سانپ بچھو ہیں۔

پھر قبر سے اٹھنا ہے اور حساب وکتاب کے لئے اللہ کے سامنے پیش ہونا

ہے اور پل صراط پر چلنا ہے، اسی طرح قیامت کے تمام واقعات کو یاد کر کر کے سوچا کرے اس سے خوف آخرت پیدا ہوگا، جب یہ مراقبہ صحیح ہو جائے گا تو غلطی سے بھی گناہ کے قریب نہیں بھٹکے گا۔

مراقبۂ رویت:

یہ بھی مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، میرے ظاہر وباطن پر مطلع ہیں، یعنی اس بات کا تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ خبیر وبصیر ہیں، کوئی بات کسی وقت ان سے پوشیدہ نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت وقدرت وجلال اور اس کے عذاب وعقاب کو بھی یاد کرے، اس کی مواظبت کی وجہ سے یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی کہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ کرے گا اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام خوب کرے گا، اس عمل کو بھی تنہائی میں بیٹھ کر تھوڑی دیر تک کرتا رہے۔

مراقبہ سفر آخرت:

سفر آخرت کا مراقبہ ہر انسان کو لازماً کرنا چاہئیے، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے غفلت کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، انسان کے اندر عبادت کا جوش اور شوق پیدا ہوتا ہے اور آخرت میں جو امور اس کو نفع پہونچانے والے ہیں ان کو اپنی زندگی میں لانے کی فکر پیدا ہوتی ہے، ان کی طرف رغبت بڑھتی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی شب وروز کی زندگی پر تنقیدی نظر

ڈالے اور دیکھے کہ ہماری کون کون سی نقل وحرکت سفر آخرت کے لئے معین ہے اور کون کون فعل اس سفر سے مانع ہے جو امور معین ہوں ان کو اختیار کرے اور جو امور مانع ہوں ان کو ترک کر دے، مرنے تک اس بات کی فکر کرے کہ اس شاہ راہ پر خار راہ پیدا نہ ہو، اور یہ بھی خیال کرے کہ خدا تعالیٰ کا راستہ طویل ہے اور ہم اس پر چل رہے ہیں تو ہم ہر وقت سفر میں ہوئے۔

ذرا آپ ہی بتایئے! جس کو ہر وقت سفر درپیش ہو وہ کیونکر مطمئن ہو کر بیٹھ سکتا ہے، اس باب میں آپ ﷺ کی سیرت یہ بیان کی گئی ہے:

كَانَ دَائِمَ الْفِكْرَةِ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ. (شرح السنّة للبغوی: ۱۳/ ۲۷۱) کہ آپ ہمیشہ سوچ وفکر اور رنج وغم میں رہتے تھے۔

جب حضور ﷺ کی یہ حالت ہے تو ہمارا ٹھکانہ کہاں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہم کو ہر وقت فکر مند اور بے چین رہنا چاہئے، برابر عمل کرتے رہنا چاہئے اور اگر کبھی سستی ہو جائے تو از سر نو تجدید کی فکر کرنی چاہئے، اگر گناہ ہو جائے فوراً توبہ کر لیجئے، اس سے پھر بندہ راستہ پر آ جاتا ہے۔

توابع وثمرات:

آدمی کسی کام یا کسی فن میں جب محنت اور مشقت کرتا ہے اور اس میں کمال پیدا کرنے میں لگ جاتا ہے تو تجربہ ہے کہ اس کی محنت ومشقت کے نتیجے میں اس پر اسرار ورموز کھلنے لگتے ہیں، وہ بڑے عجیب وغریب تجربات سے گذرتا

ہے اور پھر ایک وہ وقت بھی آتا ہے کہ جو چیزیں اس کے وہم وگمان سے باہر تھیں وہ اس کے تجربات ومشاہدات میں آکر بدیہیات اور ضروریات میں داخل ہوجاتی ہیں۔

اسی طرح سالک بھی جب باطنی اصلاح اور تزکیۂ نفس کی راہ پر لگ جاتا ہے اور پوری محنت وہمت کے ساتھ اس میں لگا رہتا ہے اور اپنے قلب کو ذکر کے نور سے روشن کرتا رہتا ہے، بات بات پر کچھ اسرار غیبی کھل جاتے ہیں اسے کچھ مخصوص نوازشوں کے ساتھ سرفراز کیا جاتا ہے، اس کی طبیعت کا رنگ بدل جاتا ہے، بات بات پر آنکھوں سے آنسو ابل پڑتے ہیں، قرآن کی تلاوت کے وقت ہر ہر آیت پر نیا عہد و پیمان باندھتا ہے، الغرض اس کے وجود کو ایسی خاص باتیں حاصل ہوتی ہیں جن کی دوسروں کو خبر نہیں ہوتی۔

ان کیفیات کو صوفیہ کی اصطلاح میں ''احوال'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان احوال کے حاصل ہونے میں بندے کے اختیار کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ محض فضل خداوندی سے نصیب ہوتا ہے لیکن یہ تجربہ ہے کہ بندہ جب اپنے کو یادالٰہی میں کھپاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی استعداد وصلاحیت کے بقدر ان مواہب الٰہیہ سے ضرور اس کو نوازتا ہے۔

احوال رفیعہ:

ان بلند احوال میں سے جن سے ذاکر شاغل بندہ نوازا جاتا ہے یہ ہے کہ:

(۱) سالک پر ان ذکر واذکار کی برکت سے ایک ''خاص حالت'' طاری ہوتی ہے، جس کو ان کی اصطلاح میں ''نسبت'' کہا جاتا ہے اور اسی کو ''سکینہ بھی کہتے ہیں۔

''نسبت'' اور ''سکینہ'' کس کو کہتے ہیں؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ آئیے بزرگوں ہی کے اقوال سے اس کو جاننے کی کوشش کریں، مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ فرماتے ہیں:

> ''تمام مشائخ کے طریقوں کا مقصد و منتہیٰ ایک خاص کیفیت کا حاصل کرنا ہے جس کا نام ان کی اصطلاح میں ''نسبت'' ہے کیونکہ یہ ہیئت نفسی درحقیقت انسان کا حق تعالیٰ کے ساتھ ربط وارتباط ہے، اسی کا نام ''سکینہ'' ہے اور اس کو نور بھی کہتے ہیں، اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ فطرت انسانی میں یعنی اس کے نفس ناطقہ میں ایک کیفیت سرایت کر جاتی ہے جس کی وجہ سے اسے ملائکہ کیساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور عالم بالا کے مشاہدہ کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے''۔

اس کی تفصیل وتشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

''تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان جب طاعات ، طہارت اور اذکار وغیرہ پر مداومت کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے نفس میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے اس کو ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنے کا ایک ملکۂ راسخہ پیدا ہوجاتا ہے، اسی ملکہ کا نام ''نسبت''، ''سکینہ'' اور ''نور'' ہے، اور حصول نسبت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ کو ادھر توجہ تام ہوگئی اور اس کو حق تعالیٰ سے تعلق ہوگیا ورنہ حق تعالیٰ کو تو بندہ سے نسبت ہوتی ہی ہے''۔ (مجموعہ تالیفات: ج ۴ ص ۱۴۳)

بہر حال سالک جب اس بلند مرتبہ تک پہونچ جاتا ہے، اس کے احوال کیا ہوتے ہیں؟ اس کی باطنی کیفیت کیسی ہوتی ہے؟ اس کو بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی زبانی سنتے چلیئے، فرماتے ہیں:

''جن لوگوں کو'' سکینہ'' پر دوام واستقامت نصیب ہوتی ہے، انھیں یکے بعد دیگرے بلند احوال نصیب ہوتے رہتے ہیں، سالک کو چاہیے کہ ان احوال کو غنیمت سمجھے اور یہ جان لے کہ یہ حالات اس بات کی علامت ہے کہ اس کی طاعت حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے، اور یہ کہ اس کا باطن نفس اور دل کی گہرائی اطاعت الٰہی سے متاثر ہے''۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اقتباسات شاہ وصی اللہ صاحب کی کتاب ''تصوف اور نسبت صوفیہ سے ماخوذ ہے'' جو مجموعۂ تالیفات کا ایک جزء ہے۔

(۲) ''سکینہ'' پر دوام کی برکت سے سالک کو ایک جلیل القدر حال یہ نصیب ہوتا ہے کہ اس کا نفس شدید کشاکش سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مطمئن ہو جاتا ہے، اور اس کی عبادت و بندگی اپنی زندگی کا حاصل خیال کرتا ہے، اس پر ذکر الٰہی کا ایسا ذوق وشوق طاری ہوتا ہے کہ بدن کے تمام اعضاء سے اس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، اس کی نظر صرف اس بات پر لگی رہتی ہے کہ کسی طرح میرا رب مجھ سے راضی ہو جائے اس کے لئے وہ ہزار طرح کا جتن کرتا ہے، دنیا کی دوسری تمام چیزوں پر حق تعالیٰ کی رضامندی کو ترجیح دیتا ہے۔

(۳) صاحب نسبت سالک کو ایک بڑی دولت یہ حاصل ہوتی ہے کہ اس کا پورا وجود خشیت الٰہی سے لبریز ہو جاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کے خوف کا غلبہ اس قدر شدید ہوتا ہے کہ اس کے آثار دل سے چھلک کر بدن اور ایک ایک عضو پر ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

(۴) صاحب سکینہ کو رویائے صالحہ یعنی اچھے اور سچے خواب کی نعمت میسر ہوتی ہے، جو نبوت کا ایک حصہ ہے۔

(۵) اس دنیا میں فراست صحیحہ کی دولت سے نوازا جاتا ہے، جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے:

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ. (سنن الترمذی: ۵/۱۴۹ رقم الحدیث: ۳۱۲۷) مومن کی فراست سے بچو اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

(۶) اور یہ کہ اس کو یہ بھی دولت حاصل ہوتی ہے کہ اس کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں وہ مستجاب الدعوات کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے۔

(۷) اسی طرح اس کو منجانب اللہ یہ بلندی حال ملتا ہے کہ اگر وہ اللہ پر توکل کر کے کسی بات پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم ضرور پوری کر دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں مروی ہے۔

(۸) الہام وغیرہ نعمتوں سے بھی اس کو سرفراز کیا جاتا ہے، ہم اپنی اس بات کو حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ایک اقتباس پر ختم کرتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں:

''خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایسے احوال رفیعہ جو مذکور ہوئے، اور انھیں کے مانند دوسرے حالات عالیہ، یہ سب اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ اس شخص کا ایمان صحیح ہے اور اس کی طاعات عند اللہ مقبول ہیں، نور ایمان اس کے باطن میں سرایت کئے ہوئے ہے، لہٰذا سالک کو چاہیئے کہ ان احوال کو غنیمت سمجھے، کیوں کہ یہ سب اس کے ایمان کی دلیل ہے''۔ (مجموعۂ تالیفات)

خدمات

حضرت درس وتدریس اور اصلاح وتربیت کے آدمی تھے، طلبہ کو بہت لگن سے درس دیتے تھے، مدرسہ کی ذمہ داریاں اور مسترشدین کی اصلاح وتربیت فرصت ہی نہیں دیتی تھی کہ دوسرے مشاغل کی طرف توجہ دیں، تاہم اگر کبھی فرصت ملتی تو کچھ مقالے اور مضامین بھی لکھتے اور رفاہی کام بھی کرتے تھے۔

سب سے پہلی تصنیف:

حضرت نے باقاعدہ کبھی تصنیف وتالیف کا کام نہیں کیا، زمانۂ طالب علمی میں جب آپ عربی ہفتم کے طالب علم تھے اور سہارنپور ''مظاہر علوم'' میں پڑھنے میں مشغول تھے، اس وقت آپ نے سیرت کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی تھی، جس میں مسئلہ ''میلاد النبی'' کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے، کتاب کا نام ''تذکار خیر الاخیار'' ہے، اب تک اس کے دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں، پہلا ایڈیشن شعبان ۱۴۰۳ھ میں دیوبند کے کسی مکتبہ سے چھپا ہے، اور دوسرا ایڈیشن شوال المکرّم ۱۴۲۶ھ میں ''اشرفی کتب خانہ'' پھولپور سے، دوسرے ایڈیشن میں ہر صفحہ کے حاشیہ میں مشکل اور نادر الفاظ کے معانی بھی لکھے گئے ہیں۔

اس کتاب کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں عربی وفارسی کے ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن کی الگ سے شرح لکھنے کی ضرورت پڑے گی، حیرت ہوتی ہے کہ عربی ہفتم کے ایک طالب علم کے پاس عربی وفارسی کے اتنے نادراور مشکل الفاظ کیسے جمع ہوگئے، پھرانھیں برتنے کا ڈھنگ اوراستعمال کا طریقہ کیسے معلوم ہوا۔

ظاہرہے گہرے مطالعہ اورکثرت سے لغت کی ورق گردانی کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے، آپ مطالعہ کے شوقین اورمحنتی تھے، ذہین وسمجھ دار تھے، جوکچھ پڑھتے وہ یاد ہوجاتا، جولفظ مطالعہ میں آتا وہ ازبر ہوجاتا، پھر یہی ذخیرۂ الفاظ کتابی صورت میں ظاہر ہوا، یہ کتاب ۱۵ ارجب ۱۴۰۳ھ میں مکمل ہوئی، آپ اپنی کتاب کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں:

’’اس پرآشوب زمانے اورالحادوزندقہ پرورفضا میں تعلیمات نبوی فداہ روحی پرغفلت وبے پرواہی کا غبارتہ بہ تہ جم رہا ہے، اوراسلاف صالحین کے اسلوب وطرززیست سے انقباض وانحراف امت مرحومہ کا حصہ بن رہا ہے، اور شامت اعمال کہ مغرب زدہ ومُتَفَرْنجین اورارباب سطوت وحکومت کے پرفریب پریشان بخش معاشرے کو ہم گلے لگا کر طفلانہ خوشی کا ثبوت فراہم کررہے ہیں‘‘۔ (تذکارخیرالاخیار:۱)

ایک جگہ اوررقم طراز ہیں:

''اگر میلا دالنبی کی اصلی حقیقی صورت وطلعت ، چمک دمک ، بناوٹ وسجاوٹ ملاحظہ کرنا ہو،تو دور رسالت میں پہنچئے ، لیجیے دیکھیے یہ آپ کے سامنے حضرت خبیب بن عدی اور زید بن الدسنہ رضی اللہ عنہما کے کردار پیش کیے جاتے ہیں، نوٹ کر لیجئے یہ دونوں حضرات خلفاء منتخبین میں سے نہیں ہیں اور نہ تو عشرۂ مبشرہ ہی میں ان کے نام نامی محسوب ہوتے ہیں، ہاں اطاعت رسول کی جیتی جاگتی تصویر ضرور ہیں''۔ (تذکار خیرالاخیار:۲۴)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''غیروں کے سراب نما آداب زندگی کوآزمانے کے چکر میں پڑ کر انمول فرصت دنیا کومت ضائع کرو، بلکہ دنیا کی فضا میں زیدوخبیب بنکر چھاجاؤاور باطل کے ایوانوں میں لرزش ورعشہ کی لہر دوڑا کرلوح خاکی سے حرف غلط کی طرح مٹادواورارض دوتا کوناپاک ملبوں سے سبک بارکردو۔اے جاں نثارو!جاں سپارسپاہیو!ابن عمرؓ جیسی والہانہ انقیادوعاشقانہ پیروی شیدائیانہ اطاعت کولازم پکڑلو!توجیسے تاریخ انھیں آج تک سرورق کئے ہوئے ہے ہمیں بھی اپنے سینے پر باقی رکھے گی'' (تذکار خیرالاخیار:۲۹)

آپ نے اس کتاب کو اپنے دادا حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ کی طرف منسوب کیا ہے، چنانچہ کتاب کے ابتدائیہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

اے شہ عبدالغنی اے روحِ ما صدقۂ تو جملہ ایں مفتوحِ ما

(حکیم اختر)

چوں کہ خاکسار کی یہ ابتدائی خامائی سعی بحمداللہ بعض اربابِ فضل وکمال کی نظروں سے گزر کر یاراں نکتہ داں کو صلائے عام کا پیام دے رہی ہے، اور مقالہ نگار کی قلبی خواہش ہے کہ ربّ العزت کے یہاں اس حقیر کاوش کو خلعت رضا مکرمت ہو، وبسوئے ایں حبیب خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بینش پسند منعطف ہوجائے، اس لیے کتاب کو چک کا استناد جدامجد شیخ المشائخ عارف باللہ شیدائی سنت رسول اللہ الحاج الحافظ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری- **تَغَمَّدَهُ اللّٰہُ بِالغُفْرَانِ، وَأدْخَلَهُ بُحْبُوحَةَ الجِنانِ**-کی طرف کرتا ہے''۔(کتاب مذکور کا ابتدائیہ)

اساتذہ کی شہادتیں:

اس کتاب میں آپ کے اساتذہ کی تقریظیں اور اکابر علماء کے دعائیہ کلمات بھی ہیں، انہوں نے آپ کو اس کاوش پر اچھے انداز میں خراج عقیدت

پیش کیا ہے، ہم نمونہ کے طور پر ان تقریظوں کے اقتباسات آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

مولانا مفتی مظفر حسین ناظم مظاہر علوم:

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب ناظم مظاہر علوم نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں:

''رسالہ ''تذکار خیر الاخیار'' ایک بہت عمدہ اور بہترین موضوع پر تحریر کیا گیا ہے، میں نے اس کو کہیں کہیں سے دیکھا ہے، اس کے تحریر کرنے والے عزیز نے ادائے مطلب کے لیے الفاظ و معانی کی جو نوعیت اختیار کی ہے، اس پر کچھ عرض کئے بغیر میں تو صرف یہ لکھنے پر اکتفا کر رہا ہوں کہ عزیز موصوف حضرت اقدس الحاج الشاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری کے نبیرۂ محترم ہیں، اور میرے لیے ان کی یہی نسبت کافی اور قابل قدر ہے''۔

مولانا رضوان نسیم مظاہریؔ:

آپ کے استاذ حضرت مولانا رضوان نسیم صاحب استاذ ''مظاہر علوم'' لکھتے ہیں:

''اس مبارک کام کے لیے ان کی سعی مستحق مبارک باد ہے اور قابل قدر ہے، صرف اس لیے نہیں کہ ان کے قلم نے دین و دنیا کی جامع ترین شخصیت کی سیرت نگاری سے اپنے سفر کا آغاز کیا ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ اس مقالہ میں ردّ بدعت اور اصلاح معاشرہ سے متعلق بعض مفید چیزیں دلچسپ اور انوکھے انداز میں آ گئی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس مقالہ میں ان کے روشن اور تابناک مستقبل کا چہرہ نظر آ رہا ہے''۔

مولانا محمد اللہ مظاہریؒ:

حضرت مولانا محمد اللہ صاحب ولد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم ''مظاہر علوم'' لکھتے ہیں:

''یہ بذات خود ہونہار اور صاحب استعداد باصلاحیت متعلّم اور تخلیق کار معلوم ہوتے ہیں، بچپن کا پردہ ہٹتے ہی میدان تصنیف و تالیف میں بزمانہ مستقبل ان کے نمایاں طور پر ابھرنے کی امید کی جاسکتی ہے، ان کے پاس کافی ذخیرۂ الفاظ ہیں''۔

حضرت کے متعلق اساتذہ کے یہ توصیفی کلمات زمانہ طالب علمی کے ہیں، ان حضرات کی دور بیں نگاہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ آئندہ ایک ہنرمند اور تخلیق کار انسان بن کر نمایاں ہونے والے ہیں اور آپ سے اللہ تعالیٰ احیاء

ِسنت کا عظیم الشان کام لینے والا ہے۔

اساتذہ کی یہ شہادتیں بہت وقیع اور قابل قدر ہیں، ان سے آپ کی فطری استعداد وصلاحیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

فیضان اشرف کے اداریے:

اس کے علاوہ فیضان اشرف میں اُنیس سالوں سے برابر ادارتی کالم بھی آپ ہی کے قلم سے نکلتے تھے، اس کا اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہوگیا ہے، اگر اسے شائع کیا جائے تو ایک علمی دستاویز ہوگا، ’’فیضانِ اشرف‘‘ ہی میں ایک کالم ’’درس حدیث‘‘ آپ ہی سے نسبت رکھتا تھا، پہلے مفصل اور حدیث کی شرحوں کے ساتھ بعد میں کثرت مشاغل نے اختصار پر مجبور کردیا، اس کا بھی ایک معتد بہ حصہ جمع ہوگیا ہے۔

تقریریں:

آپ کی تقریروں کا بھی ایک بڑا حصہ جمع ہوگیا ہے، یہ تقریریں بارہ تیرہ سالوں سے مولانا شفیق احمد صاحب قاسمی سیتاپوری استاذ مدرسہ ہذا پابندی سے ریکارڈر سے جمع کرکے ترتیب وعنوان کے اضافہ کے ساتھ ہر شمارہ میں شائع کرتے رہے، اوراب الحمدللہ حضرت والا کے خلیفہ وجانشین حضرت مفتی محمد احمداللہ صاحب پھولپوری دامت برکاتہم کی کوششوں سے بالترتیب تمام محفوظ شدہ بیانات کو کتابی شکل دینے کا کام شروع ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل

وکرم سے اسے پائے تکمیل تک پہونچائے۔ وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

یہ تقریریں بہت ہی مؤثر اور پرسوز ہیں، مضامین انوکھے اور دلچسپ ہیں، ان متفرق تقریروں میں شریعت وطریقت کے بیش بہا خزانے ہیں، سالکین کے لئے ہدایت اور ان کے شب وروز کے لائحہ عمل ہیں۔

ان تقریروں سے آپ کا مزاج ومذاق معلوم ہوتا ہے، بزرگوں سے تعلق، بڑوں کی توقیر، چھوٹوں پر شفقت، اہل علم سے محبت، شاگردوں اور اہل تعلق سے گہرا لگاؤ، اساتذہ کی قدر وقیمت، علم اور اس پر عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، یہ تقریریں آپ کی دل آویز شخصیت کی آئینہ دار ہیں۔

خانقاہی نظام کی ترویج واشاعت:

خانقاہ کے مٹتے نظام کے احیاء میں بھی حضرت مفتی صاحب کے ملک گیر اقدامات انتہائی قابل قدر ہیں، ہندوستان کی تاریخ میں مشائخ اور ان کی خانقاہوں کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے، ان خانقاہوں کا احیاء اسلام میں اہم رول ہے۔

حضرت مفتی صاحب جس طرح مدرسوں کی افادیت کے قائل تھے اسی طرح وہ خانقاہوں کی افادیت بھی محسوس کرتے تھے، اس لیے کہ تصوف کی اہمیت سے عملاً واعتقاداً استخفاف کی جو مسموم ہوا اہل مدارس میں چل پڑی ہے، حضرت والا اس صورتِ حال سے بہت غم زدہ اور کڑھن میں رہا کرتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ مدارس کی طرح خانقاہوں کا جال بھی ملک کے گوشے گوشے میں پھیل

جائے، اس کے لئے وہ افراد تیار کرتے تھے، دوست واحباب سے مشورہ کرتے تھے، معاصر علماء اور مشائخ دین سے دعائیں کرواتے تھے۔

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ سے سو خانقاہوں کے لیے دعا کروائی تھی، آپ کی مساعئ جمیلہ کے نتیجہ میں ملک کے طول وعرض میں بیس بائیس خانقاہیں وجود میں آچکی ہیں، اس وقت ''مرکزی خانقاہ شاہِ ابرار'' جو پھولپور میں سہ منزلہ عمارت پر مشتمل ہے تربیت کے اہم مراکز میں سے بنی ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر فرمائے اور جو خانقاہیں وجود میں آگئی ہیں ان میں انسان سازی کا کام جاری وساری فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

خانقاہی نظام……

درج ذیل تحریر مولانا محمد ضیاء اللہ صاحب قاسمی استاذ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ کا مضمون ہے، جو ہفت روزہ اخبار ''زمینی سچ'' کے خصوصی شمارہ ''محسن الامت نمبر'' میں شائع ہوا تھا، وہ پورا مضمون بعینہٖ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

جوں جوں زمانہ کروٹیں لے گا اس کے تقاضے بدلتے رہیں گے اور دامنِ اسلام سے ان کی مراد بخشی ہوتی رہے گی، نہ کبھی انسانی ضرورتوں میں استغنا ہوسکتا ہے، نہ ہی کبھی اسلام کا چشمۂ فیض پایاب ہوسکتا ہے، حضرتِ انسان کا رشتہ اس کے خالق و مالک سے استوار کرنے کے لیے مدبرین امت نے قرآن وسنت کی روشنی میں مختلف طریقہائے کار اور متنوع نظامہائے تربیت امت کے سامنے پیش کیا ہے، ہر طالب خدا و عاشقِ رسول (ﷺ) نے اپنے اپنے مزاج و مذاق کے مطابق کسی طریق سے وابستہ ہوکر منزل عقبیٰ کا راستہ طے کیا ہے، کسی کو خانقاہی نظام سے منزل مقصود حاصل ہوئی، تو کسی کو تبلیغی جماعت راس آئی، تو کوئی علمی تشنگی کو کافور کرنے کے لیے مدارس کی چہار دیواری سے

وابستہ ہوا، الغرض ہر ایک تنظیم ایک دوسرے کی معاون اور رفیق ہے، سب ایک ہی دریائے نبوت سے جاری ہونے والے مختلف چشمے ہیں، زمانۂ قدیم سے اکابرین امت، مدارس اور خانقاہوں کے ذریعہ امت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق پیدا کرنے کا راستہ بتاتے چلے آئے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی، شیخ عبدالقادر جیلانی سے لے کر حکیم الامت تھانوی علیہم الرحمہ تک اکابرین کی ایک طویل فہرست اوراق تاریخ پر نقش ہے، جن کی مستقل خانقاہیں تھیں اور طالبین حق ان کے نظام سے مربوط ہو کر واصل بحق ہوتے رہے، اِدھر چند دہائیوں سے مدارس کی فضا میں تجرد کی وہ مسموم ہوا چل پڑی کہ اہلِ مدارس محض تعلیم وتعلّم کو ہی مقصد زندگی سمجھ کر قانع ہو بیٹھے، اور نورِ نبوت سے قلوب کو منور ومزکیٰ کرنے کی ضرورت درجۂ ثانوی یا بلامبالغہ غیر ضروری سمجھا جانے لگا، ’’اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنَ الشُّرُوْرِ وَالْفِتَنِ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ‘‘۔

حضرتِ اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری قدس سرہٗ کے انقلابی قلب میں یہ لگن اور تڑپ رہی کہ خانقاہی نظام کا پھر اسی انداز سے اجراء ہو جائے، جو عہدِ قدیم سے بطورِ عملِ متواتر کے متوارث چلا آرہا ہے، چنانچہ حضرت والا نے اپنے اس جذبے کا اظہار اپنے شیخ حضرت والا شاہ ہردوئی قدس سرہٗ سے کیا کہ میری خواہش ہے کہ ہندوستان میں کم از کم سو (١٠٠)

خانقاہیں قائم ہوجائیں، آپ دعا فرمادیں۔

چنانچہ حضرت والا کا ہمائے ہمت اس بلندی پر بھی اپنی وسعت پرواز لے گیا، اور پھولپور، کلکتہ، بنگلور، دہلی، ممبئی، پربھنی، افضل گڈھ وغیرہ مقامات میں متعدد خانقاہیں وجود میں آئیں، جہاں ایک خاص طرز پر ہر چھوٹے بڑے کے لیے تصحیح قرآن پاک، سنت کے مطابق نماز واذان واقامت کی مشق، اور اوراد ووظائف ودیگر کتبِ دینیہ سنانے کا نظام جاری ہوگیا، ان میں مرکزی خانقاہ شاہ ابرار پھولپور زیادہ قابلِ ذکر ہے، قبل اس کے کہ خانقاہ کے عنوان سے تعمیر شدہ اس سہ منزلہ عمارت اور اس میں جاری نظام کا ذکر ہو اس جگہ کی تاریخ اور ماضی میں اس کی مرجعیت پر بھی کچھ روشنی ڈالتا چلوں۔

یہ بقعۂ زمین جہاں اس وقت مدرسہ روضۃ العلوم اور خانقاہ شاہ ابرار اور زیرِ تعمیر چہار منزلہ ''مسجد شاہ عبداللہ'' آباد ہے، ایک وقت تھا کہ سلطان العارفین شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ کے وجودِ مسعود سے منور تھا، حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد سلسلۂ تھانوی کے بیشتر اکابرین نے حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا بڑا تسلیم کرتے ہوئے حضرت کی خدمت میں آمد ورفت شروع کردی، اس سلسلہ کے چند واقعات درج ذیل ہیں:

واقعہ نمبر (۱):

راقم نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے والد مرحوم جناب حاجی

ابوالبرکات صاحب (چھوٹے بابو) سے سنا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا مسعود علی صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ مغرب کے وقت گھر پر تشریف لائے، ابا نے بڑے بھائی سے فرمایا کہ ابوالفضل دیکھو کہیں سے چڑیا کا شکار کرلاؤ، بڑے بھائی ایئرگن لے کر نکلے، گھر کے جنوب میں ایک املی کا درخت تھا اس پر ایک چڑیا بیٹھی تھی، اس کا شکار کر کے لائے، گھر میں کھانا بنا تو پورا محلّہ گوشت کی خوشبو سے معطر ہوگیا، علامہ ندوی نے ابا سے فرمایا کہ یہ چڑیا جس کی خوشبو آرہی ہے صرف کشمیر کے زعفرانی علاقوں میں پائی جاتی ہے، اور اس کی غذا بھی زعفران ہی ہے، یہ چڑیا اِدھر کیسے آگئی؟ حضرت نے فرمایا کہ جیسا مہمان ہے، اللہ تعالیٰ نے ویسا ہی ضیافت کا انتظام فرمادیا۔

واقعہ نمبر (۲)

حضرت مولانا عبیدالحلیم صاحب ساکن منڈیار ضلع اعظم گڈھ خلیفہ حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ جو کہ کافی عمر دراز ہو چکے ہیں اور حضرت پھولپوری کی زیارت بھی کیے ہوئے ہیں، بلکہ حضرت کے زمانہ میں اپنے بچپن کا کافی حصہ یہاں پر گذارا ہے، وہ کبھی کبھی جمعہ پڑھنے پھولپور تشریف لاتے ہیں، حضرت والا کا معمول جمعہ کے بعد تھوڑی دیر حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف اصول الوصول سے کچھ سنانے کا تھا، جب مولانا عبیدالحلیم صاحب تشریف لاتے تو حاضرین کو حضرت پھولپوری کی کچھ باتیں سناتے، ایک دفعہ سنانے لگے کہ

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں یہ جگہ رشد وہدایت کے انوار سے معمور تھی، جب حضرت پاکستان تشریف لے گئے تو ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا اور یہ جگہ غیر آباد ہوگئی، اب اللہ تعالیٰ نے ان کا جانشیں حضرت مفتی صاحب کی شکل میں پیدا فرمادیا ہے، جب میں دیکھتا ہوں کہ پھر وہی پر بہار دور واپس آ گیا تو خوشی کی کیفیت کو بیان نہیں کرسکتا۔

واقعہ نمبر (۳):

بروایت مولانا محمد الیاس صاحب ناظم تنظیم وترقی مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر:- فرمایا کہ ۱۹۹۰ء میں حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نوراللہ مرقدہٗ پھولپور تشریف لائے تھے، اور سترہ روز یہاں قیام فرمایا، علاقہ میں بیشتر مقامات پر بیانات ہوئے اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے محبت رکھنے والوں نے حضرت حکیم صاحب سے بھی اس موقع پر استفادہ کیا، جمعہ کے روز میں حضرت حکیم صاحب کو چھوٹے بابو (والد ماجد حضرت والا) کے کمرہ میں قبل جمعہ وضو کرارہا تھا، اتنے میں حضرت مفتی صاحب کا مسجد میں بیان شروع ہوگیا، حضرت حکیم صاحب نے فرمایا کہ کون بیان کررہا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت مفتی صاحب ہیں، فرمایا الحمدللہ میرے حضرت کی جگہ زندہ ہوگئی، نیز فرمایا کہ علاقہ میں ان کی کافی مقبولیت اور کشش معلوم ہورہی ہے، میں نے کہا جی حضرت ایسا ہی لگتا ہے۔

واقعہ نمبر (۴):

بروایت حضرت والا علیہ الرحمہ: فرمایا کہ حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم یہاں تشریف لائے تھے، تو فرمایا کہ درودیوار میں حضرت پھولپوری کے ذکر کے انوار پیوست ہیں۔

واقعہ نمبر (۵):

بروایت حضرت والا علیہ الرحمہ: حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں یہاں پر ایک سانپ بہت دنوں سے رہا کرتا تھا، جب حضرت کا انتقال ہوگیا تو وہ سانپ گیٹ پر آیا اور تین دفعہ اپنا سر زمین پر زور سے پٹخا اور بزبانِ حال یہ کہتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کر دیا کہ ؎

میں بجھی ہوئی شمع کا دھواں ہوں اپنے مرقد کو جا رہا ہوں
وہ اپنی ہستی مٹا چکے ہیں میں اپنی ہستی مٹا رہا ہوں

واقعہ نمبر (۶):

بروایت حضرت والا علیہ الرحمہ: حضرت والا شاہ ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ جب مدرسہ بیت العلوم کے جلسہ میں تشریف لاتے تو رات پھولپور ہی میں گذارتے، فرماتے کہ یہاں ذکر کے انوار محسوس ہوتے ہیں، یہاں زیادہ سکون ملتا ہے۔

اس کے علاوہ بکثرت بغرض اصلاح آمدورفت رکھنے والوں میں چند

مشہور اسماء یہ ہیں:

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ، حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مفتی محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ، صاحب احسن الفتاویٰ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حاجی نذیر احمد صاحب بکھراوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت پھولپوریؒ وسابق ناظم اعلیٰ مدرسہ ہذا، حضرت مولانا سعید احمد صاحب بمبئی پوری اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سابق نائب ناظم مدرسہ ہذا۔

الغرض بیشتر واقعات اس امر پر شاہد ہیں کہ یہ خطۂ زمین قدسیوں کی آماجگاہ رہی ہے، جہاں آج سہ منزلہ عمارت بنام مرکزی خانقاہ شاہ ابرار حضرت والا کے جذباتِ دروں کی منھ بولتی تصویر ہے۔

شوال ۱۴۳۱ھ میں احقر سال لگانے کے ارادے سے وہاں حاضر ہوا، تو اس وقت خانقاہ زیر تعمیر تھی، بغرض قیام دور سے آنے والے مریدین مہمان خانہ میں قیام کرتے، جو صدر دروازے سے داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ پر دومنزلہ عمارت قائم ہے، نیچے بڑا سا ہال اور اوپر ایک لمبا کمرہ ہے، جس میں حضرت والا کا کتب خانہ بھی ہے، اور حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی کچھ بوسیدہ اور کہن رسیدہ کتابیں یہ کہہ رہیں ہیں کہ: ع

کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت حسین تھی

احقر کا قیام اسی کمرہ میں رہا، چند مہینوں کے بعد مفتی محمد زکریا صاحب حیدرآبادی خلیفہ حضرت والا دو ماہ کے قیام کے ارادے سے تشریف لائے تو وہ بھی یہ کہتے ہوئے اسی کمرہ میں براجمان ہوگئے کہ ؎

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب نبھے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

اس دوران خانقاہ کی تیسری منزل پر چودہ کمرے تیار ہو چکے تھے، ایک روز احقر نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت کسی روز خانقاہ میں تشریف لے چلیں اور ذکر ودعا کرا دیں تا کہ اس کا افتتاح ہو جائے، پھر ہم لوگ دن میں وہیں معمولات پورا کیا کریں گے اور رات مہمان خانہ میں گذاریں گے، حضرت والا نے اظہارِ مسرت فرماتے ہوئے اس درخواست کو قبول فرمایا اور حدیث شریف ''مَا مِنْ أَمْرٍ بُدِءَ یَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ إِلَّا وَقَدْ تَمَّ'' (جو کام بھی بدھ کے روز شروع کیا جائے وہ پورا ہو کر رہتا ہے) کے پیشِ نظر بروز بدھ (افسوس تاریخ درج نہیں کر سکا) بعد نماز فجر متصلاً تیسری منزل کمرہ نمبر (۱) میں سارے لوگ جمع ہوگئے، حضرت والا تشریف لائے اور دوازدہ تسبیح سے مختصر ذکر کے بعد دعا فرمائی اور اس سادگی کے ساتھ اس عظیم خانقاہ کا افتتاح ہوگیا، اس مجلس میں حضرت والا کے ساتھ احقر، مفتی زکریا صاحب حیدرآبادی، مولانا شفیق صاحب افضل گڈھ خلیفہ

حضرت والا مع رفقا و دیگر دس پندرہ حضرات تھے، پھر کمرہ نمبر(١) میں احقر اپنے معمولات پورے کرتا اور کمرہ نمبر(٢) میں مفتی زکریا صاحب۔

چند دنوں کے بعد احقر نے خواب دیکھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہیں اور احقر ان کو خانقاہ دکھا رہا ہے، حضرت ہر ہر چیز کو دیکھ کر خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں، احقر نے یہ خواب حضرت والا کو سنایا تو فرطِ مسرت سے حضرت کے آنسو چھلک پڑے، پھر شدہ شدہ واردین وصادرین کی آمد کا سلسلہ روز افزوں بڑھتا رہا اس سال رمضان شریف میں تقریباً ٣٠ حضرات ایک چلّہ کے لیے بغرض اصلاح مقیم رہے۔

حضرت والا نے جو نظام مقیمینِ خانقاہ کے لیے تجویز فرمایا تھا، وہ درج ذیل ہے:

(١) صبح صادق سے ایک گھنٹہ قبل بیدار ہونا اور ضروریات وضو سے فارغ ہوکر نیچے حضرت والا کے کمرہ میں حاضر ہونا، پھر نماز تہجد کے بعد انفرادی دوازدہ تسبیح کا ذکر کرنا، بعدہٗ اگر حضرت والا درِ دولت پر تشریف فرما ہوتے تو نماز فجر سے تقریباً ٢٥ منٹ پہلے تشریف لاتے اور مختصراً اجتماعی ذکر کے بعد دعا کراتے، بصورتِ دیگر حاضرین میں سے کوئی دعا کرا دیتا۔

(٢) نماز فجر کے بعد مسجد میں تلاوت واشراق کے بعد حضرت والا کے تشریف فرما ہونے پر حضرت کے ساتھ چنا اور چائے کا ناشتہ بصورتِ دیگر

دوسری منزل کے بڑے ہال میں ایک ساتھ ناشتہ کرنا۔

(۳) کچھ آرام کر کے چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) ذکر اسم ذات پاک کا معمول پورا کرنا۔

(۴) دوپہر میں کھانا تناول کرنے کے بعد ظہر تک قیلولہ کرنا۔

(۵) بعد ظہر اگر ذکر کا کچھ حصہ باقی ہو تو اسے پورا کرنا، ورنہ معرفت الٰہیہ، مواعظ دردِ محبت، کمالاتِ اشرفیہ یا اور کوئی کتاب حضرت والا کی تجویز سے مطالعہ کرنا، اور ہفتہ میں ایک دفعہ حاصل مطالعہ کاپی میں لکھ کر پیش کرنا۔

(۶) بعد عصر حضرت والا کی موجودگی میں حاضر خدمت ہونا اور بصورتِ عدمِ موجودگی چہار دیواری کے اندر ہی تفریح کرتے ہوئے تین تسبیح درود شریف اور تین تسبیح استغفار پڑھنا، سخت ضرورت کے وقت موجودہ نگراں خانقاہ سے اجازت لے کر بازار جانا، اور ہر ممکن جلد واپس آنا، عام ضرورت کے سامان نگراں خانقاہ کے توسط سے منگا لینا۔

(۷) بعد مغرب دوازدہ تسبیح سے لاالہ الا اللہ (۱۰۰ابار) الاّ اللہ (۱۰۰ابار) اللہُ اللہ (۱۰۰ابار) اللہ (۵۰بار) ورد کرنا، بعدہٗ قرآن کریم کی تصحیح کرنا، پھر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تبلیغ دین سے کچھ سننا۔

(۸) اذانِ عشاء سے نصف گھنٹہ قبل کھانا۔

(۹) بعد عشاء جلد سونے کی فکر کرنا۔

(۱۰) ہفتہ میں ایک دفعہ جمعہ کے روز اپنے احوال کی کاپی حضرت والا کو پیش کر کے اصلاح لینا، جن میں درج ذیل چیزوں کی اطلاع بطور خاص ہو:

(الف) ذکر کی پابندی کس قدر رہی۔

(ب) اشراق، چاشت، تہجد، اوّابین کی پابندی ہے یا نہیں۔

(ج) قلبی حالات کی کیفیات کیا ہیں؟

(د) گناہوں سے بچنے کا اہتمام کس قدر ہے؟

(۱۱) حتی الامکان موبائل کے استعمال اور اختلاط وفضول مجلس بازی سے بالکلیہ گریز کرنا۔

مذکورہ بالا نظام تو خاص مقیمین خانقاہ کے لیے تھا، اہل محلّہ کی اصلاح کے لیے حضرت والا نے دعوۃ الحق سے منسلک ہفتہ واری ایک نظام جاری فرمایا، وہ یہ کہ ہر جمعرات کو بعد نماز عصر کسی محلّہ میں گشت پھر بعد مغرب بیان کیا جائے، گاہے بہ گاہے مستورات میں بھی جا کر بیان کیا جائے، حضرت والا جب تشریف فرما ہوتے تو عموماً بعد مغرب کا بیان خود ہی فرماتے ورنہ جس کو حکم ہوتا وہ کرتا۔

جمعہ کے روز حضرت والا کا معمول یہ تھا کہ ۱۲:۴۵ سے ۱:۱۵ بجے تک قرآن پاک کی تفسیر بیان فرماتے، اس سلسلہ کا آغاز حضرت والا نے اپنے شیخ حضرت ہردوئی قدس سرہٗ کے حکم سے فرمایا تھا، الحمدللہ کثرتِ اسفار کے باوجود تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں ۱۴ پارہ کی تفسیر ہو چکی تھی، بعد نماز جمعہ اصول

الاصول یا معیت الٰہیہ (تالیف حضرت پھولپوریؒ) سے کچھ سناتے، پھر دور ونزدیک سے آنے والے سارے حضرات خانقاہ میں حضرت والا کے کمرہ میں جمع ہوجاتے اپنے اپنے خاص احوال میں مشورہ کرتے یا حضرت والا کے فرمودات سے مستفید ہوتے۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ یہ سارا نظام اسی اہتمام کے ساتھ حضرت والا کے خلیفہ وجانشین فرزندار جمند حضرت مولانا شاہ مفتی محمد احمداللہ صاحب پھولپوری زید مجدہٗ کی نگرانی میں جاری وساری ہے، البتہ کثرتِ مشاغل واسفار کی بناپر قبل جمعہ تفسیر کا سلسلہ ہنوز جاری نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ اسے بھی جاری فرمادے اوراس جگہ کے فیوض وبرکات کوتا قیامت جاری فرمائے۔(آمین ثم آمین)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

اخلاق وعادات

حضرت والا علیہ الرحمہ کی مجموعی زندگی بے حد سادہ تھی، ہر ایک سے کھلے دل سے ملتے، کوئی اپنی ضرورت پیش کرتا، اسے غور سے سنتے اور جہاں تک ممکن ہوتا اسے پورا کرتے۔

چہرے پہ ہمیشہ مسکراہٹ رقص کرتی رہتی تھی، جس سے آپ کی شخصیت اور نکھر جاتی، اگر راہ چلتے کسی مدرس یا مرید پر نظر پڑ جاتی، تو اس سے ملاقات کرتے، اگر راستہ ایک ہوتا، تو اسے اپنے ساتھ گاڑی پر بٹھا لیتے۔

اتھاہ محبت:

حضرت سے جو بھی ملتا، وہ آپ کی بے پناہ محبت سے ضرور متأثر ہوتا، مبدأ فیاض کی جانب سے جذبہ محبت وافر مقدار میں عطا کیا گیا تھا، محبت کا لفظ جب اللہ والوں کے یہاں آتا ہے، تو وہ اپنے معنی اور حقیقت کے ساتھ آتا ہے، شاعروں کی محبت نہیں، جو صرف لفظوں کا مجموعہ ہوتی ہے، یا دنیاداروں کی محبت نہیں، جو دنیاوی تلویثات سے ملوث ہوتی ہے، بلکہ ایسی محبت مراد ہوتی ہے، جو

بارگاہِ حق کا دیوانہ بنادیتی ہے۔

آپ کی اتھاہ محبت کے سبب مذبوح تھے، طلبہ اور اساتذہ کو بڑی محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، خلاف طبع امور پر عموماً چشم پوشی کرتے، لوگوں کے ساتھ حلم اور بردباری سے پیش آتے۔

محبوبیت:

اللہ کے مقبول بندوں کو حق تعالیٰ کی جانب سے ایک خاص قسم کی محبوبیت عطا کی جاتی ہے، جو بھی دیکھتا ہے ان سے محبت کرنے لگتا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی مایۂ ناز تفسیر ''معارف القرآن'' میں آیت کریمہ: ﴿ وَ أَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِنِّيْ ﴾ [طٰہٰ :۳۹]، (اور میں نے اپنی طرف سے تم پر ایک محبوبیت نازل کردی تھی) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کا تو بڑا مقام ہے، بہت سے اولیاء اللہ میں بھی اس محبوبیت کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ (معارف القرآن:۶/۱۰۵)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی شکل وصورت میں ایسی معصومیت رکھ دیتا ہے کہ جو بھی دیکھتا ہے ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت کے چہرہ مہرہ میں بھی ایسی اپنائیت اور معصومیت رکھ دی تھی کہ جو بھی دیکھتا آپ سے محبت کرنے لگتا، پرنور چہرہ جو دیکھتا اس کے دل میں صرف اچھا تأثر ہی نہیں پیدا ہوتا؛ بلکہ وہ آپ کا گرویدہ ہوجاتا۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب استاذ عربی ادب مدرسہ اسلامیہ عربیہ ''بیت العلوم'' سرائے میر ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

''مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ کئی سال پہلے جب حضرت مفتی صاحب کی بمبئی کے ایک سفر سے واپسی ہوئی، تو ایک روز عصر کے بعد کی مجلس میں فرمایا کہ بمبئی میں میرے میزبان کے پاس فلمی دنیا کا کوئی ایکٹر آیا اور اس نے مجھ سے بھی ملاقات کیا، پھر بعد میں وہ ایکٹر کہہ رہا تھا، کہ ایسا خوبصورت اور نورانی چہرہ میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ (فیضان اشرف/ جنوری ۲۰۱۸ء ص:۲۶)

حضرت مفتی صاحب کی شخصیت بلاشبہہ ایسی ہی تھی کہ جو کوئی دیکھتا تھا اس کے دل میں آپ کی محبت اتر جاتی تھی، یہ بات صرف مریدین اور متعلقین سے خاص نہ تھی، بلکہ اس قدر عام تھی کہ ہر ایک کے لیے یہ بدیہی امر ہو گیا تھا۔

معمولاتِ زندگی:

حضرت سے جب میری ملاقات ہوئی، تو اس وقت حضرت کا فیض عروج پر تھا، اسفار کی کثرت، مہمانوں کی چہل پہل اور وعظ وتقریر کا فیضان پورے زور پر تھا، ہر دوسرے تیسرے دن علاقہ میں کوئی نہ کوئی پروگرام ضرور ہوتا، دور دراز کا پروگرام عموماً جمعرات جمعہ کو رہتا، اس وقت آپ کی زندگی بہت مصروف تھی، ایک ایک منٹ تول تول کر خرچ کرتے تھے، درسیات کی اہم اہم کتابیں آپ سے

متعلق تھیں، جنھیں پابندی سے پڑھاتے، مریدین کی اچھی خاصی تعداد بھی موجود رہتی، ان کی اصلاح وتربیت بھی کرتے، ان کے خطوط کے جواب بھی لکھتے۔

صبح مدرسہ آتے، دن بھر مدرسہ کے کاموں میں مصروف رہتے، تعلیمی اور تعمیری کاموں کی بہ نفس نفیس نگرانی کرتے، عصر کی نماز کے بعد ایک مختصر مجلس لگتی، جس میں حکیم الامت مولانا تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کی کتاب پڑھتے، یا زبانی تصوف ومعرفت کی باتیں ہوتیں، اس کے بعد ایک عام مجلس ہوتی، نووارد مہمانوں اور اساتذہ سے لطف ومحبت کی گفتگو ہوتی۔

کبھی کبھی مغرب کے بعد اجتماعی ذکر کی بھی مجلس ہوتی، اس میں عموماً اساتذہ اور منتہی طلبہ ہوتے، عشاء سے پہلے پھولپور جاتے، عموماً عشاء کی نماز خانقاہ کی مسجد میں پڑھتے، نماز کے بعد سالکین کی خیریت معلوم کرتے، پھر گھر میں تشریف لے جاتے، صبح سویرے اٹھتے، تہجد کی نماز پڑھتے، پھر بخاری شریف کے مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، اذان کے بعد خانقاہ آتے، مجلس ذکر میں شریک ہوتے، نماز فجر کے بعد تلاوت کا معمول تھا، پھر نہر کی طرف میدان میں تفریح کے لیے نکل جاتے، جب تک میں خانقاہ میں مقیم رہا، جمعہ کے دن تفریح میں ضرور شریک ہوتا، زندگی کے یہ معمولات کم وبیش بیماری تک جاری رہے۔

مولانا عبدالہادی صاحب قاسمی استاذ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

’’آپ تہجد کے وقت بیدار ہوکر اپنے مولیٰ حقیقی سے راز ونیاز کی باتیں کرتے ، اس کے بعد خانقاہ تشریف لاتے اور مریدین ومتوسلین کو اجتماعی ذکر کراتے، پھر مسجد کا رخ کرتے ، فجر کی نماز سے فارغ ہوکر اپنی جگہ بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت کرتے ، یہاں تک کہ سورج بلند ہوجاتا، پھر اشراق کی نماز سے فارغ ہوکر خانقاہ تشریف لاتے اور آپ کی روحانی وعرفانی مجلس منعقد ہوتی اور مریدین ومتوسلین کی اصلاحی کاپی دیکھ کر اپنے مفید اور قیمتی مشوروں سے نوازتے اور وہیں چائے نوش فرما کر دولت کدہ پر تشریف لے جاتے، آپ بکثرت سفر کیا کرتے تھے، جب سفر سے دیررات کو تشریف لاتے تب بھی آپ کا یہی معمول رہتا، آپ سفر وحضر میں کبھی اپنے خالق ومالک کی یاد سے غافل نہیں ہوتے تھے، اکثر باوضو رہتے تھے‘‘۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

خلفاء ومُجازین

مریدین:

حضرت کی زندگی بے حد مصروف تھی، خدمات کا دائرہ کافی وسیع تھا، خطۂ اعظم گڈھ کے لیے ''کبریت احمر'' تھے، ملک اور بیرون ممالک کے ہزارہا لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے، آپ ذوق وشوق سے ان کی اصلاح وتربیت کرتے تھے، خواص وعوام دونوں طرح کے لوگ آپ سے نسبت رکھنے میں اپنی سعادت تصور کرتے تھے۔

اعظم گڈھ، مئو، گورکھپور، مہراج گنج، نیپال، دیوریا، خلیل آباد، بستی، سلطان پور، لکھنؤ، بارہ بنکی، لکھیم پور، سہارن پور، مرادآباد، بجنور، مہاراشٹر، دہلی، کلکتہ اور بہار کے متعدد اضلاع یعنی چمپارن، سیوان، گوپال گنج کے علاوہ ملک کے طول وعرض اور بیرون ممالک میں بھی آپ کے مریدین بہ کثرت پھیلے ہوئے ہیں۔

مُجازین:

حضرت مفتی صاحب نے متعدد لوگوں کو اپنا خلیفہ اور مجاز بنایا ہے، ان میں دو طرح کے لوگ ہیں، ایک مجاز بیعت اور دوسرے مجاز صحبت۔

مجاز بیعت سے مراد وہ لوگ ہیں، جنھوں نے کسی شیخ محقق کی صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح اور تربیت کرالی ہو، اور شیخ نے ان کی موجودہ حالت کو دیکھ کر دوسروں کو اصلاح کرنے کی بھی اجازت دے دی ہو۔

اور مجاز صحبت سے مراد وہ لوگ ہیں، جو کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح کرانے میں مشغول ہوں، ابھی تربیت مکمل نہ ہوئی ہو، مگر صلاح وتقویٰ کے آثار ان کے برتاؤ سے ظاہر ہوں، ایسے لوگوں کو بیعت کرنے کی اجازت تو نہیں ہوتی ہے، مگر مجلسوں میں دین کی باتیں کر سکتے ہیں، یہ حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی اصطلاح ہے، اور ایسا اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ سالک اور محنت، لگن اور توجہ سے اصلاح حال میں مشغول ہو جائے۔

مجازین بیعت:

حضرت نے دونوں طرح کے لوگوں کو تیار کیا ہے، بعض مجازین بیعت ہیں اور بعض مجازین صحبت، مجازین بیعت کے جو نام ''فیضان اشرف'' فروری ۲۰۱۸ء میں شائع ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱ - مفتی محمد احمد اللہ صاحب پھولپور، اعظم گڈھ، ناظم اعلیٰ مدرسہ بیت العلوم سرائمیر۔

۲- مفتی محمد اجود اللہ صاحب پھولپور، اعظم گڈھ، نائب ناظم مدرسہ بیت العلوم سرائمیر۔

۳ - مولانا شفیق احمد صاحب افضل گڈھ، بجنور۔

۴ - حاجی ارشاد احمد صاحب دیوریا، مقیم حال ناگالینڈ۔

۵ - حاجی محمد سیف اللہ صاحب بمبئی، مقیم حال جدہ۔

۶ - حاجی محمد آفاق صاحب کوپر کھیرنہ، بمبئی۔

۷ - مولانا جمال انور صاحب چھاؤں، نائب ناظم مدرسہ بیت العلوم سرائمیر۔

۸ - مولانا محمد الیاس صاحب ناظم تنظیم وترقی مدرسہ بیت العلوم سرائمیر۔

۹ - حاجی صوفی شمشاد احمد صاحب گھوسی، مئو۔

۱۰ - ماسٹر صلاح الدین صاحب کلکتہ۔

۱۱ - حاجی احبار الدین صدیقی پربھنی، مہاراشٹر۔

۱۲ - مفتی محمد زکریا صاحب حیدرآباد۔

۱۳ - مولانا محمد ظفر صاحب امام مسجد چیتا کیمپ، بمبئی۔

۱۴ - حاجی صوفی مجیب الرحمٰن صاحب شمسی کلکتہ۔

۱۵ - مفتی عزیز الدین صاحب برما۔

۱۶ - مولانا توحید احمد صاحب ہمئی پور، اعظم گڈھ۔

۱۷ - مفتی عبدالرحمٰن صاحب سلیمانی، برما۔

۱۸ - قاری حبیب احمد صاحب فتح پور مقیم حال بمبئی۔

۱۹ - مولانا حکیم اسرار احمد صاحب قاسمی مدرسہ خیر المدارس گھوسی، مئو۔

۲۰ - حاجی عظمت کریم صاحب کلکتہ۔

۲۱ - حاجی مظفر اقبال صاحب کلکتہ۔

۲۲ - مولانا محمد احمد صاحب خیر آباد، مئو۔

۲۳ -حاجی شمشاد احمد صاحب کلکتہ۔

مجازین صحبت:

مجازین صحبت کی بھی ایک فہرست فیضانِ اشرف میں شائع ہوئی ہے، اس میں یہ نام ہیں:

(۱) صوفی حاجی محمد سلیم صاحب قریشی لال باغ، لکھنؤ۔

(۲) حاجی صوفی جہانگیر صاحب کلکتہ۔

(۳) حاجی محمد سلیم صاحب ہردوئی، مقیم حال دہلی۔

(۴) حاجی محمد یٰسین صاحب منڈولی، دہلی۔

(۵) حافظ کلیم اللہ صاحب امبیڈکر نگر۔

(۶) جناب محمد کاظم صاحب پربھنی، مہاراشٹر۔

(۷) مولانا شفیق احمد صاحب سیتاپور۔

(۸) صوفی محمد عارف صاحب حصار، ہریانہ۔

(۹) حاجی حافظ فضل الرحمٰن صاحب کوٹیلا اعظم گڈھ۔

(۱۰) ماسٹر محمد اکرم صاحب آنوک اعظم گڈھ۔

(۱۱) مولانا محبوب عالم صاحب امبیڈکر نگر۔

(۱۲) مولانا حافظ محمد صفات صاحب کوٹیلا اعظم گڈھ۔

(۱۳) حاجی اکبر شیخ کمال الدین صاحب مقیم سنگاپور۔

(۱۴) حاجی محمد حنیف صاحب احمد نگر مہاراشٹر۔

(۱۵) مولانا انصار احمد صاحب پیٹھن مہاراشٹر۔

(۱۶) مولانا ریاض احمد صاحب پچماواں، اعظم گڑھ۔

(۱۷) حافظ عطاء اللہ صاحب سلطان پور۔

(۱۸) مولانا نسیم احمد صاحب پورہ معروف، مئو۔

(۱۹) مفتی محمد نور الدین صاحب بیگوسرائے، بہار۔

(۲۰) مولانا محمد حسنین صاحب بھاگلپور، بہار۔

(۲۱) مفتی محمد یاسر صاحب ناظم اعلیٰ احیاء العلوم مبارک پور، اعظم گڑھ۔

(۲۲) مولانا محمد عامر صاحب امبیڈکر نگر۔

(۲۳) ماسٹر مجیب اللہ صاحب بستی۔

(۲۴) ڈاکٹر ابو ہریرہ صاحب نوتنواں مقیم حال علی گڑھ۔

(۲۵) مولانا محمد یعقوب صاحب فتح پور، مقیم حال بمبئی۔

(۲۶) مولانا قاری محمد ایوب صاحب کلکتہ۔

(۲۷) ماسٹر عظمت حیات صاحب کلکتہ۔

(۲۸) مولانا محمد نسیم صاحب جگدیش پور، اعظم گڑھ۔

(۲۹) مفتی محمد اختر علی صاحب منجولی خورد، پنجاب۔

(۳۰) قاری جمشید احمد صاحب فیض العلوم افضل گڈھ، بجنور۔

(۳۱) مفتی محمد قمر صاحب دھام پور بجنور۔

(۳۲) مولانا جمال الدین صاحب مظاہری بجنور۔

(۳۳) ماسٹر محمد شاہد صاحب حمید پور، مئو۔

(۳۴) مولانا عصمت اللہ صاحب قاسمی کلکتہ۔

(۳۵) مولانا خورشید احمد صاحب سیتامڑھی، بہار۔

(۳۶) مولانا عبدالعزیز صاحب نارائن پور بکارو۔

(۳۷) قاری زبیر احمد صاحب بستوی نگراں مرکزی خانقاہ شاہِ ابرار پھولپور۔

(۳۸) مولانا ذوالکفل صاحب ملیشیا۔

(۳۹) حاجی محمد عاقب صاحب کوٹلہ مقیم حال بورنائی۔

(۴۰) حافظ خورشید احمد صاحب اعظمی مقیم حال پربھنی، مہاراشٹر۔

(۴۱) مولوی اسعد الباری صاحب لکھیم پور کھیری۔

(۴۲) مفتی محمد زکریا صاحب گیا، مقیم حال بنگلور۔

(۴۳) حاجی محمد بیگ صاحب بنگلور۔

(۴۴) قاری محمد ایوب صاحب کلکتہ۔

(۴۵) قاری جمشید عالم صاحب کلکتہ۔

☆☆☆

اولاد واحفاد

درج ذیل تحریر مولانا محمد ضیاء اللہ صاحب قاسمی استاذ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ کا مضمون ہے، جو ماہنامہ رسالہ ''فیضانِ اشرف'' مارچ ۲۰۱۸ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا، وہ پورا مضمون بعینہٖ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت اقدس علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح بے شمار لائق وفائق روحانی اولاد سے نوازا ہے، اسی طرح صورت وسیرت سے مالا مال متعدد لائق وفائق، آنکھوں کا نور، دل کا سرور جسمانی اولاد بھی مرحمت فرمایا ہے، صاحبزادوں میں ہر ایک اپنے آپ میں رشک گلشن، ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، صلاحیتوں سے بھر پور، حسن و جمال اور خلق وخصال میں والد بزرگوار کے عکس جمیل ہیں۔

سب سے بڑے جناب حاجی اسعد اللہ صاحب رکن عاملہ مدرسہ بیت العلوم سرائے میر ہیں۔ نکلتا ہوا قد، چوڑا سینہ، پیشانی سے ذہانت اور فطانت کی پھوار گرتی ہوئی، گفتگو سے فہم وفراست ہویدا، اپنے والد مرحوم کے لیے تمام چھوٹے بڑے خانگی امور میں بے حد مناسب اور معتبر معاون ثابت ہوئے،

اوائل عمر میں جب قضا وقدر کے فیصلے سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہوا، تو تجارت کی پُر پیچ وادیوں میں قدم رکھا اور ایسا رکھا کہ ہر موڑ پر کامیابی استقبال کو آئی، بڑی بات یہ ہے کہ فراوانیٔ ثروت کے باوجود دنیاوی عیش وعشرت سے دور اور آرام طلبی وراحت کوشی سے نفور، بڑوں کے لیے مؤدب، چھوٹوں کے لیے شفیق ہیں، اللہ تعالیٰ نے متعدد حج وعمرہ سے نوازا ہے، باشرع صوم وصلاۃ کے پابند اور دل ایمانی غیرت سے سرشار ہے، اب تمام اہل خانہ کے لیے مضبوط سہارا اور صحیح معنوں میں باپ کی جگہ بڑے بھائی ثابت ہوئے۔

دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی محمد اجود اللہ صاحب زید مجدہٗ نائب ناظم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر ہیں۔ گندمی رنگ، گول چہرہ، آنکھوں میں چمک، نکلتا ہوا قد، چوڑی ہڈیاں، بڑے بھائی کی طرح ذہانت ومتانت اور شجاعت وفراست کا پیکر، ابتدائی تعلیم مدرسہ روضۃ العلوم پھولپور میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں داخلہ لیا، والد ماجد کی مکمل تربیت اور نگرانی میں عالمیت کا آٹھ سالہ کورس مکمل کرنے کے بعد ادب عربی اور تکمیل افتاء کا کورس بھی کیا، بعدازاں حضرت والا قدس سرہٗ کی سفر وحضر کی ایک سالہ صحبت اٹھانے کے بعد مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم میں تدریسی امور کی انجام دہی میں مشغول ہوگئے، حضرت والا اپنے بچوں کے لیے محض ایک باپ ہی نہیں، بلکہ بے مثال مصلح ومربی بھی تھے، چنانچہ حضرت والا نے مفتی صاحب موصوف کی خاص تربیت

فرمائی اور اپنی نگرانی میں مختلف ذمہ داریوں سے گذار کر نائب ناظم کے عہدۂ جلیلہ پر متمکن فرمایا، لہٰذا اب مفتی صاحب ایک کامیاب ذمہ دار بن کر پوری جدوجہد کے ساتھ گلشن پھولپوری کی آبیاری میں ہمہ تن مشغول ہیں، حسن انتظام، قوت فیصلہ، معاملہ فہمی، زیرکی ودانائی والد بزرگوار سے ورثہ میں ملی ہے، اور کیوں نہ ہو کہ دیگر بھائیوں کے بہ نسبت کچھ زائد ہی خدمت ومعیت کا موقعہ ملا، خصوصاً ایک سال قبل جب حضرت والا بمبئی میں سخت جانکاہ مرض کا شکار ہوئے تھے، اس مرض میں مسلسل پوری خدمت کا موقعہ مفتی صاحب موصوف کو ملا، اس طویل صحبت نے تدین میں بھی ایک نرالا رنگ بھر دیا، اور اسی سال رمضان ۱۴۳۸ھ میں حضرت والا قدس سرہٗ کی طرف سے اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، نیز تدریسی میدان میں بھی ترقی کرتے ہوئے مشکوٰۃ شریف جیسی اہم کتاب کا سبق پڑھا رہے ہیں۔

تیسرے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ مفتی محمد احمداللہ صاحب پھولپوری خلیفہ وجانشیں حضرت والا قدس سرہٗ وناظم اعلیٰ وشیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر ہیں۔ دراز قد، وجیہ شکل، سرخ گندمی رنگ، تبسم برلب، شیریں گفتار، پختہ کردار، بچپن سے ہی ولایت کے آثار پیشانی سے نمودار ہیں، حضرت والا کی دوررس نگاہوں نے اپنا خلف الصدق تاڑلیا تھا، ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن کریم مدرسہ روضۃ العلوم میں حاصل کرنے کے بعد ازابتداء تا انتہاء جدامجد کے لگائے ہوئے شجرۂ طوبیٰ مدرسہ بیت العلوم کے علمی

وعملی، روحانی وعرفانی شگوفوں سے بساط قلب کومزین اور اس کی نورانی فیوض کی کرنوں سے دل و دماغ کومجلّٰی کیا، تکمیل افتاء کے بعد ایک سال خانقاہ شاہ ابرار پھولپور کے گوشۂ تنہائی میں رہ کر گنجینۂ معرفت وحکمت، پدر بزرگوار کی بافیض صحبت سے روحانی وعرفانی منازل طے کیے، تا آنکہ رمضان ۱۴۳۸ھ میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، اور ''الولد سر لأبيه'' (بیٹا باپ کے باطنی کمالات کا امین ہوتا ہے) کے صحیح مصداق ثابت ہوئے، طالب علمی کے دور سے فراغت پھر ایک سال خانقاہ کے پرفیض ماحول سے گذرنے کے بعد تدریسی میدان میں قدم رنجہ فرما ہوئے، تو فطری قابلیت کی تیز گامی سے چند ہی دنوں میں باتفاق ارکان شوریٰ وتائید علماء عظام، نظامتِ علیا کے اہم منصب پر فائز ہوئے، اور حضرت والا کی علالت کے دوران بخاری شریف جلد ثانی کی اہم تدریسی ذمہ داری بھی آپ کے دوش پر آ گئی، اس طرح موصوف بیک وقت حضرت والا قدس سرہٗ کے خلیفہ وجانشین، شیخ الحدیث وناظم اعلیٰ جیسے حساس مناصب جلیلہ پر فائز ہیں، اللہ تعالیٰ شرور وفتن سے محفوظ رکھے اور حاسدین کی نظر بد سے بچائے۔ (آمین)

چوتھے صاحبزادے جناب مولانا مفتی محمد اسجد اللہ صاحب زید فضلہٗ ہیں۔ سپید رنگ، نمایاں قد، آنکھوں میں بھولا پن، پیشانی سے روشن مستقبل کا سورج ابھرتا ہوا، بھائیوں کی طرح ذہانت وفطانت کا معصوم پیکر اور بھولے بھالے تصویر ہیں، بڑے باپ کے بیٹے اور بڑے خاندان کی اونچی نسبت کے حامل ہونے کے

باوجود ہمیشہ بڑوں کا ادب واحترام، اساتذہ کی تعظیم وتکریم کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے، موصوف نے ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن کریم اپنے وطن پھولپور کے مدرسہ روضۃ العلوم میں حاصل کیا، اور از فارسی تا دورۂ حدیث شریف وتکمیل افتاء جدامجد کے گلشن علمی مدرسہ بیت العلوم سرائے میر سے کیا، پھراس وقت مدرسہ ہذا میں کامیاب اور چہیتے استاذ ہیں، انسان کا سب سے عمدہ جوہرِ قابل اس کا عمدہ خلق ہوتا ہے، جو اس کے کمالات کے نشوونما کے لیے زرخیز زمین کا کام دیتا ہے، خالق فطرت نے موصوف کی طینت کو زرخیز بنایا ہے، موصوف ابھی میدان عمل کے ابتدائی دور سے گذر رہے ہیں، حق تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ ؎

اسی دریا سے اٹھے گی وہ موج تندِ جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

پانچویں اور سب سے چھوٹے صاحبزادے، والدین کی آنکھوں کے تارے، بھائی بہنوں کے راج دُلارے عزیزم حافظ محمد اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ موصوف حافظ قرآن ہو چکے ہیں اور اس وقت درجہ عربی اوّل میں زیر تعلیم ہیں، طفلانہ شوخیوں کے ساتھ خاندانی شرافت اور عالی نسبت کا بھی چولی دامن کا ساتھ ہے، والد ماجد قدس سرہٗ کے آخری حج ۲۰۱۶ء اور آخری عمرہ نومبر ۲۰۱۷ء سے آخرت کی پہلی منزل (قبر) پہونچانے تک ساتھ رہے، اپنے نازک اور نحیف ہاتھوں سے باپ کے جنازے کو کاندھا بھی دیا، اور لرزتے ہاتھوں سے خلد کے مسافر کو سپرد

خاک کرتے ہوئے بزبان حال یہ کہتے ہوئے وطن مالوف کو رخصت ہوئے ؎

اڑتے اڑتے آس کا پنچھی دور اُفق میں ڈوب گیا
روتے روتے بیٹھ گئی آواز کسی سودائی کی

اسی طرح تین بچیاں بھی حضرت والا کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، سب سے بڑی جو بھائی بہنوں میں بھی سب سے بڑی ہیں، وہ مولانا محمد اعظم صاحب اعظمی قاسمی ساکن بیناپارہ ضلع اعظم گڈھ سے منسوب ہیں، مولانا موصوف نے اپنے خسر کے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں ابتدائی تعلیم تا عربی چہارم بعد ازاں از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم حاصل کیا، موصوف کو حضرت والا شاہ ہردوئی سے والہانہ تعلق ہے، اسی تعلق کی بنا پر حضرت والا کی نگاہِ انتخاب دامادی کے واسطے موصوف پر پڑی، حضرت والا کو ان نسبتوں کا بہت خیال رہتا تھا، چنانچہ مفتی محمد اجوداللہ صاحب کا رشتہ جناب حاجی شمیم صاحب ساکن شیرواں ضلع اعظم گڈھ کی بچی سے اسی بنا پر کیا کہ حاجی شمیم صاحب کے والد مرحوم صوفی عبدالوہاب صاحب حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ کے شیدائی تھے، حضرت والا نے اس روحانی تعلق میں دوام واستحکام پیدا کرنے کے لیے رشتہ داری کے اٹوٹ تعلق سے مہمیز کیا، مولانا محمد اعظم صاحب اس وقت اہل خانہ کے ساتھ پونہ میں مقیم ہیں، حضرت والا کے

وصال کے وقت اپنے خسرال پھولپور میں موجود تھے، اور اس عظیم صدمے کے وقت حضرت والا کے اہل خانہ کے واسطے بڑی تسلی اور ڈھارس کا ذریعہ بنے۔

دوسری صاحبزادی مولانا محمد قاسم صاحب اعظمی قاسمی ساکن مسجد یا ضلع اعظم گڈھ سے منسوب ہیں، مولانا موصوف کی ابتدائی تعلیم تا عربی پنجم مدرسہ بیت العلوم میں ہوئی، بعد ازاں دارالعلوم دیوبند (وقف) کا رخت سفر باندھا اور فراغت کے بعد اوّلاً ان کا عقد ہوا، پھر مدرسہ بیت العلوم میں داخلہ لے کر تکمیل عربی ادب کیا، اس وقت مولانا قباء انٹر کالج کھیتاسرائے ضلع جونپور میں مدرس ہیں، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ شاہ گنج ضلع جون پور میں اقامت پذیر ہیں، مولانا کے والدین ایک عرصہ تک بسلسلہ ملازمت مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً وعظمۃً مقیم رہے۔

تیسری صاحبزادی کا ابھی عقد نہیں ہوا ہے[1]، وہ اس وقت عالمیت کی تکمیل کے بعد والدہ محترمہ کے پاس رہ کر ان کی اشک شوئی، دل جوئی اور ہمہ تن خدمت میں مشغول ہیں۔ نیز حضرت والا قدس سرہٗ کے پانچ پوتے، چھ پوتیاں، دو نواسہ اور دو نواسیاں بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت والا کے تمام اولاد واحفاد کو بابرکت زندگی عطا فرمائے اور شرور وفتن سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

---

[1] الحمد للہ ۲۵/نومبر ۲۰۱۹ء بروز دوشنبہ محترمہ کا عقد مولانا محمد عدنان صاحب (ساکن اموڑا ضلع اعظم گڈھ) سے ہوگیا۔

مزاج و مذاق

مہمان نوازی:

حضرت والا علیہ الرحمہ کی خوش خلقی ،اعلیٰ ظرفی اور موروثی وسیع مہمان نوازی کا اثر تھا کہ ان کے پاس کافی تعداد میں مہمان بھی آتے تھے،قرب وجوار کے بھی اور دور دراز یعنی دوسرے اضلاع سے بھی ، مدرسہ میں بھی اور پھولپور خانقاہ میں بھی ،وہ سب کی خاطر تواضع کرتے تھے۔

یہ ذہن میں ہمیشہ مستحضر رہتا تھا کہ کون کب آ رہا ہے، کس کو کہاں جانا ہے، کس کو کون سی گاڑی کتنے بجے پکڑوانی ہے، جب کوئی آ تا تو آنے کا مقصد کیا ہے؟ کتنے دن رہنے کا ارادہ ہے،اور کس گاڑی سے واپسی ہے؟ ضرور پوچھتے تھے۔

الغرض حضرت والا علیہ الرحمہ لوگوں کو مہمان بنانے ،کھانا کھلانے ، آرام وراحت پہونچانے اور خاطر مدارات کرنے کے حریص تھے۔

تعمیراتی ذوق:

مبدأ فیاض کی جانب سے حضرت مفتی صاحب کو تعمیراتی ذوق کا بھی کافی

حصہ عطا ہوا تھا، تعمیرات سے انھیں بے حد شغف تھا، اس سلسلہ میں وہ خوب خوب نکتہ آفرینیاں کرتے تھے، وہ خود کہتے تھے:

’’تعمیراتی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے شاہجہانی ذوق عطا فرمایا ہے‘‘ اس کی منہ بولتی تصویر مدرسہ ’’بیت العلوم‘‘ کی عمارتیں ’’دارالتحفیظ ، دارالحدیث، رواقِ پھولپوری اور پھولپور کی خانقاہ، اور مسجد ’’شاہ عبداللہ‘‘ ہیں۔

مدرسہ بیت العلوم کی ’’دارالحدیث‘‘ پانچ منزلہ پرشکوہ عمارت صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، اس کی آخری منزل پر ایک شاندار لائبریری کا بھی منصوبہ تھا جس میں جدید وقدیم علوم وفنون کی کتابیں ہوں، اور ریسرچ اسکالروں کے لیے جدید سہولتوں کی فراہمی بھی ہو۔

طلبہ کے ہاسٹل کے لیے ’’رواقِ پھولپوری‘‘ کے نام سے ایک طویل چار منزلہ عمارت کی بنیاد ۱۳ر مئی ۲۰۱۵ء میں اپنے دست مبارک سے رکھی، اس عمارت سے ان کو خاص دل چسپی تھی، بیماری کی حالت میں بھی اسے ایک نظر دیکھنے کے لیے مچلتے تھے، اکثر پھولپور سے صرف اسے ہی دیکھنے کے لیے سرائے میر چلے آتے تھے، وہ جب بھی مدرسہ آتے اول فرصت میں اسے دیکھنے نکل جاتے، دوست واحباب کو ذوق وشوق سے دکھاتے تھے۔

’’خانقاہ شاہِ ابرار‘‘ پھولپور بھی ان کے تعمیراتی ذوق کا عمدہ شاہکار ہے، اور خانقاہ کی گود میں زیرِ تعمیر چار منزلہ ’’مسجد شاہ عبداللہ‘‘ بھی آپ کے جذبۂ

تعمیر کی خوبصورت تعبیر ہے۔

عالی دماغ، بلند حوصلہ:

حضرت مفتی صاحب کو بہت کم مدت میں بہت زیادہ کامیابیاں حاصل ہوئیں، شہرت، مقبولیت، سماجی اور ملی خدمات میں امتیازی شان کے حامل تھے، اس کا سب سے بڑا سبب ان کا بلند حوصلہ تھا، وہ کبھی بھی ایک کامیابی پر قانع نہیں ہوئے، ایک کامیابی کے بعد دوسری پر کمندیں ڈالنے کی فکر کرتے، ان کا عالی دماغ انھیں کامیابی اور بلندی کا راستہ دکھاتا گیا اور آپ کامیابی کی بلندیوں پر چڑھتے گئے۔

ان کو رفاہی کاموں میں بھی دل چسپی تھی، مختلف رفاہی کاموں کی نگرانی کرتے تھے اور ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، بعض ناگزیر حالات میں سیاست کی طرف بھی رخ کیا جس سے مسلمانوں کو بے حد فائدہ ہوا۔

۲۰۰۸ء ضلع اعظم گڈھ اور جون پور کے مسلمانوں کے لیے عام الحزن تھا، پورے ضلع میں خوف ودہشت کا ماحول بنا ہوا تھا، لوگ اپنے گھروں سے نکلتے ہوئے ڈرتے تھے، عجیب سی بے چینی اور کرب کی فضا چھائی ہوئی تھی، اس وقت سب سے پہلا اور ضروری کام یہ تھا کہ خوف ودہشت کا یہ ماحول ختم کیا جائے۔

اس کے لیے ۴؍اکتوبر ۲۰۰۸ء کو شہر اعظم گڈھ کے عربی مدرسہ ’’جامعۃ الرشاد‘‘ میں علماء کی ایک اہم میٹنگ ہوئی، اور اسی میں ’’علماء کونسل اتر پردیش‘‘

کے نام سے ایک تنظیم وجود میں آئی (تفصیل کے لیے دیکھئے فیضانِ اشرف اپریل ۲۰۰۹ء کا شمارہ، مولانا ابن الحسن صاحب کا مضمون ''علماء کونسل -محرکات اورتقاضے'')

اس میں حضرت والا علیہ الرحمہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ہرممکن کونسل کی مدد کی، جگہ جگہ پروگراموں کی صدارت کی، تقریریں کی، اور جب خوف ودہشت کا ماحول ختم ہوگیا، تو بعض اہم وجوہات کی بناء پر علیحدگی اختیار کرلی۔ابھی ۲۰۱۷ء میں بہار اور بنگال میں زبردست سیلاب آیا، اس سیلاب میں لاکھوں سے زائد لوگ متاثر ہوئے، حضرت والا علیہ الرحمہ نے متاثرین کی امداد کے لیے لوگوں سے تعاون کی اپیل کی، دوتین دنوں کے اندر تین ٹرک سے زائد اشیاء خوردونوش مہیا ہوگئیں، رقوم بھی اکٹھا ہوئیں، پھر انھیں وہاں بلاتفریق مذہب وملت لوگوں کے درمیان تقسیم کرایا، اس کی تفصیلات بھی شائع ہوئیں۔

یہ سب بلند حوصلے کے نمونے ہیں، جن سے ان کی شخصیت معاصرین میں ممتاز تھی، حضرت ان رفاہی کاموں میں کبھی پس وپیش نہیں کرتے تھے۔

ظرافت اور زندہ دلی:

حضرت والا علیہ الرحمہ زاہد خشک نہیں تھے، بلکہ مزاج میں بذلہ سنجی اور ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، لوگوں کی اصلاح میں ان کی ظرافت بہت کام آتی تھی، عصر کے بعد کی مجلس میں ان کی ظرافت عروج پر ہوتی تھی، مدرسہ

اور خانقاہ کے ایک ایک گوشہ میں جھانکتے اور ایک ایک فرد کو ٹٹولتے، اور ان کے باطنی احوال بھانپتے، پھر عصر کے بعد کی مجلس میں باتوں باتوں میں، ظرافت کے لفافہ میں لپیٹ کر کمی، کوتاہی کی نشاندہی کرتے چلے جاتے، سمجھنے والے سمجھ جاتے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلنے پاتا کہ روئے سخن کس جانب ہے؟

وہ جس مجلس میں بیٹھتے، زندہ دلی کے شادیانے بجنے لگتے، ان کی ظرافت بھری باتوں سے مجلس قہقہہ زار بن جاتی تھی، لیکن یہ ظرافت ہزل گوئی اور شہدا پن سے پاک ہوتی تھی۔

اختلافی امور سے اجتناب:

حضرت کی زندگی میں یہ وصف بہت نمایاں تھا، کہ اختلافی امور سے حد درجہ اجتناب کرتے تھے، مسلکی بُعد اور گروہی منافرت کی کبھی آپ نے حوصلہ افزائی نہیں کی، اساتذہ، طلبہ اور متوسلین کو اختلافات سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔

انھوں نے مسلمانوں کو آپسی اختلاف سے دور رہنے اور ملت واحدہ کی طرح جینے کا سلیقہ سکھایا، حضرت کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ علاقہ سے وہ گروہ بندیاں ختم ہوگئیں جن کے لوگ برسوں سے شکار تھے۔

☆☆☆

☆

عبادت وریاضت

حضرت کے پیش نظر ہمیشہ مقصد تخلیق رہتا تھا، آپ علم وفضل، ذہانت وذکاوت، زہدوریاضت، خوف وخشیت اور عبادت وریاضت کے اعلیٰ نمونہ تھے، حق تعالیٰ کی معرفت ومحبت میں بڑا مقام رکھتے تھے، آپ عابد، زاہد، شب بیدار اور تہجد گذار تھے، اکثر وبیشتر راتوں میں تین یا چار گھنٹہ سوتے تھے، حضرت کو سفر حضر ہر جگہ عبادت وریاضت کا ذوق وشوق یکساں تھا۔

ایک یادگار سفر:

حضرت مفتی صاحب بکثرت سفر کیا کرتے تھے، حضر میں جس طرح عبادت وریاضت کرتے ،سفر میں بھی اسی طرح عبادت میں محنت ومشقت برداشت کرتے ،سفر حضر میں کبھی اپنے رب کی یاد سے غافل نہیں ہوتے ، اکثر باوضو رہتے ،اسفار میں بھی باوضو رہنے کا اہتمام تھا۔

ایک بار حضرت نے اپنی گاڑی سے چمپارن بہار کے سفر کا ارادہ کرلیا، مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم کے ناظم تنظیم وترقی مولانا محمد الیاس صاحب کے فرزند ارجمند عزیزم عبدالرحمٰن سلمہٗ کا عقد مسنون تھا، دس بجے قافلہ مدرسہ سے روانہ ہوا، ظہر کی نماز مدرسہ پیرھیا ضلع گوپال گنج میں ادا کی گئی، وہاں ایک اصلاحی مجلس کے

بعد کارواں پھر آگے بڑھا، عصر کی نماز کے بعد ضلع سپول کے ایک مدرسہ میں تکمیل قرآن کریم کی مجلس میں شرکت ہوئی، مغرب کے بعد شہر سے متصل ایک گاؤں میں تقریری پروگرام ہوا، عشاء کے وقت وہاں سے واپسی ہوئی، عشاء کے بعد ایک روحانی وعرفانی مجلس ہوئی، پھر حضرت تقریباً گیارہ بجے اپنی آرام گاہ میں تشریف لائے، اس سفر کے خادم خاص مولانا عبدالہادی شیخوپوری کا بیان ہے:

''احقر حضرت کی خدمت کے لیے کمرہ میں تھا، وہ رات میرے لیے انتہائی سبق آموز تھی، حضرت کا یہ جملہ ''دنیا کام کرنے کی جگہ ہے، آرام کی نہیں'' بار بار یاد آرہا تھا، حضرت پوری رات نہیں سوئے، کچھ دیر بعد اٹھ جاتے وضو بناتے، پھر اپنی جگہ آکر لیٹ جاتے، ساری رات اسی طرح گذری، پھر صبح کے وقت قافلہ چمپارن کے راستہ پر چل پڑا۔ یہ سفر تین دن تک جاری رہا، حضرت چاق وچوبند ہر پروگرام کو سر کرتے گئے، آپ کی شب بیداری جس طرح حضر میں ہوتی تھی، سفر میں بھی اسی پابندی کے ساتھ ہوتی تھی، آپ راتوں میں تین چار گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتے تھے، عبادت وریاضت اور خوف وخشیت مثالی تھی، راقم الحروف کو اخیر کے چند سالوں میں سفر وحضر میں قریب سے دیکھنے کا کافی موقعہ ملا، واقعی آپ نمونے کے انسان تھے''۔

رمضان کا اعتکاف:

حضرت والا علیہ الرحمہ رمضان المبارک میں بہت اہتمام سے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرتے تھے، ویسے رمضان کا اکثر حصہ یکسوئی میں گذرتا تھا، پہلا دوسرا

عشرہ کسی دوسری جگہ، لیکن اخیر کا عشرہ وطن میں گذرتا تھا، پہلے پھولپور میں، پھر بعد میں مدرسہ کی مسجد میں اعتکاف کرنے لگے، ان کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں سے بھی لوگ آ کر اعتکاف کرتے تھے، پہلا دوسرا عشرہ کبھی بجنور، کبھی بنگلور، کبھی نیپال، کبھی نینی تال وغیرہ میں معتکف ہوتے تھے، ساتھ میں مریدین وسالکین کا اچھا خاصہ مجمع بھی ہوتا تھا۔

اعتکاف کا مقصد جیسا کہ سب کو معلوم ہے، یکسوئی کے ساتھ عبادت وریاضت اور ذکروشغل میں منہمک ہونا ہے، حضرت مفتی صاحب کی نظر اس مقصد پر ہمیشہ رہتی تھی، اور معتکفین کے لیے سہولت کے ساتھ ایک دستور العمل متعین کردیتے تھے، ہر شخص اسی دائرہ میں رہ کر اعتکاف کرتا تھا، اور پورے اوقات کو ذکروشغل اور عبادت وریاضت میں مشغول رکھتا تھا۔

رمضان کے ہر عشرے کی تراویح میں ایک قرآن مکمل کرنے کا ہدف تھا، اور پورے رمضان میں تین قرآن مجید تراویح میں بڑے حوصلے کے ساتھ مکمل کرلیتے تھے، بیماری اور مشقت کے باوجود اس میں فرق نہیں آتا تھا، وہ فرماتے تھے:

ایک عشرہ ختم ہوتے ہی نفس کو بہلا پھسلا کر دوسرا پھر تیسرا قرآن مکمل کرنا آسان ترین نسخہ ہے، اس کے لیے حضرت ہمیشہ ایک نوجوان عمدہ حافظ کو ہمراہ رکھتے تھے۔

زندگی کا آخری رمضان:

جنوری ۲۰۱۷ء میں حضرت کو دل کا دورہ پڑا، پھر اللہ کے فضل سے افاقہ

ہوا، ابھی دوا کا سلسلہ چل رہا تھا کہ رمضان المبارک کا مہینہ قریب آ گیا، اسی اثناء میں نینی تال کے کچھ احباب نے رمضان نینی تال میں گذارنے کا مشورہ دیا، حضرت نے ان کی دعوت قبول کر لی۔

پچیس لوگوں کا قافلہ رمضان سے دو دن پہلے نینی تال کے لیے روانہ ہوا، اِدھر حضرت مفتی صاحب چار دن کے لیے دبئی کے سفر پر روانہ ہوئے، پانچ رمضان المبارک کو نینی تال پہونچے، ہر عشرہ میں ایک قرآن تراویح میں مکمل کرنے کا ہدف تھا، آپ کے تشریف لانے کے بعد ساڑھے چار پارہ یومیہ کی تراویح شروع ہوئی، پانچ دن قیام کر کے مرادآباد تشریف لے گئے، راستہ میں دو جگہ مختصر بیان ہوا، رات میں تین پارہ تراویح پڑھی گئی اور ایک قرآن مکمل ہوا، اگلے دن دہلی کے لیے روانہ ہوئے، عصر کے بعد وہاں پہونچے، تکان شدید تھی، امید تھی کہ آج تراویح میں تخفیف رہے گی، عشاء کی نماز کے بعد حضرت نے فرمایا: اب آج سے پانچ پارہ تراویح ہوگی، تاکہ دوسرے عشرے میں بھی بآسانی ایک قرآن پورا ہو سکے، پانچ پارہ تراویح ہوئی، پھر ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا، ڈیڑھ بجے رات تک یہ سلسلہ چلتا رہا، فجر کی نماز کے بعد بنگلور کے ارادے سے دہلی ایئرپورٹ پہونچے، ۹ بجے دن بنگلور پہونچے، جمعہ کا دن تھا، جمعہ سے قبل ایک مسجد میں بیان ہوا، رفقائے سفر تھک کر چور ہو چکے تھے، تراویح پڑھنے کی ہمت نہیں تھی، کچھ لوگوں نے کہا بھی کہ تراویح میں تخفیف ہو جائے، حضرت نے فرمایا کہ گیارہ بجے ایک

مجلس ہے اس وقت تک بیٹھ کر انتظار کرنے سے بہتر ہے کہ پانچ پارہ تراویح پڑھ لی جائے، دوسرے عشرہ میں چھ دن میں قرآن مکمل ہوگیا۔ اخیر عشرہ وطن میں گذارا، اور معمول کے مطابق اس عشرہ میں بھی ایک قرآن مکمل ہوا۔

پھولپور کا آخری جمعہ:

حضرت کی خانقاہ پھولپور میں ہے، آپ خانقاہ کی مسجد ہی میں جمعہ پڑھتے تھے، ایک مدت تک حضرت والا جمعہ کی امامت خود ہی فرماتے رہے، مگر جب خلف الرشید جناب مفتی محمد احمد صاحب پھولپوریؔ زید مجدہٗ امامت کے لائق ہوئے اور حضرت والا نے ان کے اطوار وعادات سے روشن مستقبل، دینی مزاج محسوس فرمالیا تو یہ ذمہ داری ان کے حوالہ فرمادیا، البتہ قبل جمعہ تفسیر قرآن خود ہی بیان فرماتے، پھر اذان ہوتی، سنت اور خطبہ کے بعد جماعت کھڑی ہوجاتی، اس درس میں دور دراز کے لوگ بھی شریک ہوتے تھے، جمعہ کے بعد ''معیتِ الٰہیہ'' یا ''اصول الوصول'' کا کچھ حصہ پڑھ کر سناتے تھے، غالباً یہ معمول حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری کے زمانہ ہی سے چلا آرہا تھا۔

۱۷رنومبر ۲۰۱۷ء جمعہ کا دن تھا، آپ عمرہ کرنے جانے والے تھے، راقم الحروف بھی ملاقات وزیارت کے لیے حاضر ہوا، نماز حضرت کے جانشین مولانا مفتی احمد اللہ صاحب نے پڑھائی، جمعہ کے بعد ''معیت الٰہیہ'' کا کچھ حصہ حضرت نے پڑھا، پھر ملاقات کا سلسلہ چلا تو فرمانے لگے:

''طبیعت اب پہلے سے بہتر ہے، کمزوری باقی ہے، ابھی کسی لمبے سفر کے لائق تو نہیں ہوا ہوں؛ لیکن دوستوں اور گھر والوں کی معیت میں کچھ ہمت ہو رہی ہے، آج عمرہ کے لیے نکلنا ہے، کسی بہانے سے اس مقدس جگہ پہنچ جاؤں، اللہ کا کرم ہے، آپ لوگ سفر کی سہولت کے لیے دعا کریں''۔

آخری عمرہ:

آپ نے درجنوں حج اور عمرے کیے، کبھی کبھی مجلس میں پوچھا جاتا کہ حضرت! اب تک آپ نے کتنا حج وعمرہ کیا ہے؟ تو مسکرا کر جواب دیتے: ''کیا کوئی اپنے اکاؤنٹ کا بیلنس بتاتا ہے''، یہ میری نیکیوں کا بیلنس ہے، میں جس کے لیے کرتا ہوں، وہ جانتا ہے، آپ لوگوں کو جاننا ضروری نہیں ہے۔

حق تعالیٰ سے تعلق اور ذات نبوی سے محبت وشیفتگی کا نتیجہ تھا کہ کمزوری کی حالت میں بھی حج نہ سہی عمرہ ہی کی سعادت حاصل کرنے نکل پڑے، ۱۷ر نومبر ۲۰۱۷ء کو جمعہ کے بعد اہلیہ محترمہ، تین صاحبزادے، حضرت مولانا مفتی محمد احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم، مفتی محمد اسجد اللہ صاحب اور حافظ محمد اللہ سلمہٗ اور ایک بہو (اہلیہ مفتی محمد اسجد اللہ صاحب) نیز چند اعزہ کے ساتھ گھر سے روانہ ہوئے، بعض احباب کی روایت کے مطابق جاتے وقت یہ جملے بھی آپ کی زبان سے ادا ہوئے ''اب میرا یہ سفر عمرہ آخری ہے، اس کے بعد مشکل ہے''۔

بیماری، وفات اور تدفین

حضرت والا علیہ الرحمہ وفات سے قبل متعدد جانکاہ بیماریوں کا شکار ہوگئے تھے، تفصیل کے لیے فیضانِ اشرف اپریل ۲۰۱۷ء میں شائع شدہ مولانا محمد ضیاء اللہ صاحب غازی پوری استاذ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر کا مضمون ملاحظہ فرمائیں:

باز آمد شاہِ من در کوئے من......

انسان کمالات خداوندی کا مظہر اعظم ہے، اس کے اندر خوبیوں کا ایک مخفی خزانہ ہے، جن کی معرفت اور حسنِ استخدام سے کبھی یہ انسان رشکِ ملائکہ ہوتا ہے، تو کبھی ان پوشیدہ کمالات سے عدم واقفیت اور جمود و تعطل سے بہائم اور جمادات سے بھی گیا گزرا ہو جاتا ہے۔

گھٹے تو بس ایک مشت خاک ہے انساں
بڑھے تو وسعت کونین میں سما نہ سکے

کمالات انسانی کے سلسلے میں سنت اللہ یہی جاری ہے کہ ان کا اظہار عیش وعشرت کے جلوت کدوں میں نہیں ہوتا بلکہ آلام ومصائب کی پرخار وادیوں کی

دشت نوردی اور داخلی وخارجی نامساعد حالات وابتلاءات شاقہ کے ٹکراؤ سے ہوتا ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم کی رفعت شان محض ان کی شان نبوت ورسالت کی رہین منت نہیں ہے، بلکہ شدائد ومصائب کے پیہم ہجوم کا بھی حسن انجام ہے، اسی لئے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ''لَقَدْ اُوْخِفْتُ فِی اللّٰہِ مَا یُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِیْتُ فِی اللّٰہِ مَا یُوْذیٰ اَحَدٌ'' (ترمذی:۲/۷۳)

اللہ تعالیٰ کے اسی عام ضابطہ اور حکمت بالغہ کا ظہور اس ذات والا تبار سے بھی ہوا جو اس وقت ان رشحات قلم کا محور ہے، یعنی پیکر علم وعمل، منبع جود وسخا، خوگر صدق وصفا، رہبر راہ ہدیٰ، مخزن فضل وکمال، منبع خلق وجمال، عالم شریعت، حامل طریقت، شبلیٔ زماں، جنید دوراں، قطب الارشاد والتکوین، عالم ربانی، عارف یزدانی، فداہ روحی، مرشدی ومولائی، سیدی وسندی حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری دامت فیوضہم خاص علالت (لا رجعت لہٗ) اور دشوار عارضۂ قلب سے بفضلہٖ تعالیٰ (ولہ الشکر شکراً جزیلاً کما یلیق بشانہ) شفایاب ہوکر بتاریخ ۱۰/جمادی الاولیٰ بروز چہارشنبہ مدرسہ ہذا میں جلوہ افروز ہوئے۔

رنج وخوشی، صحت ومرض، غربت وخوشحالی تو اپنی اپنی تقدیر سے آتے جاتے رہتے ہیں، لیکن ان حالات وکیفیات کو ایک عامی شخص کس انداز سے گزارتا ہے اور ایک عارف ربانی ان کو کس استقامت اور صبر وشکر کے ساتھ منشاء خداوندی کے مطابق قبول کرتا ہے، یہی مابہ الفرق اور امتیازی جوہر ہے جو فضل

وکمال کے فرق مراتب کو ظاہر کرتا ہے، حضرت اقدس کی یہ طویل علالت خود حضرت والا کے لئے اور تمام متعلقین ومسترشدین کے لئے عبرت وموعظت اور محبت ومعرفت کے کیسے کیسے خزانے لیکر آئی، اس کا احاطہ تو کارے دارد، البتہ اپنی فہم نارسا کے مطابق کچھ خامہ فرسائی کی کوشش کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ انقلاباتِ عالم سے عبرت پذیری کا سلیقہ عام وتام فرمائے۔ (آمین)

یوں تو حضرت والا متعدد دفعہ جانکاہ امراض کا شکار ہوئے، ہر دفعہ اللہ ربّ العزت نے حضرت والا کو صبر واستقامت کی توفیق سے نوازا، اور اپنے فضل وکرم سے شفاء کلی ارزانی فرمایا، لیکن زیرِ تحریر مرض کچھ زیادہ ہی صبر آزما ثابت ہوا، سفر حج پہ جانے سے پہلے ہی طبیعت میں کافی ضعف واضمحلال تھا، احباب نے ازروئے محبت عرض کیا حضرت امسال سفر حج کو ملتوی فرمادیں، صحت موافق نہیں ہے لیکن انہیں کیا معلوم کہ مریض عشق کے لئے دیدار رخِ محبوب کے علاوہ کوئی داروئے شفاء نہیں ہے۔

از سر بالینِ من بر خیز اے ناداں طبیب
من مریض عشق ہستم رو بجز دیدار نیست

ترجمہ:- اے ناداں طبیب میرے سرہانے سے اٹھ جاؤ اور میری صحت یابی کے لئے سعی لاحاصل نہ کرو، میں مریض عشق ہوں رخِ محبوب کے دیدار کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

الغرض حضرت اقدس سفر حج پہ تشریف لے گئے اور تقریباً ایک ماہ حرمین شریفین میں قیام فرما کر بتاریخ ۲۵/ذی الحجہ بروز یکشنبہ بعد نماز عشاء تقریباً ۱۱/ بجے پھولپور دولت کدہ پر جلوہ فرما ہوئے۔

طبع مبارک میں نشیب وفراز آتے رہے، اسی میں کھانسی کا عارضہ لاحق ہوا، اور ہومیو پیتھ، ایلو پیتھ دونوں علاج کرایا گیا مگر ع:-

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اصل مرض کی تشخیص نہیں ہو پا رہی تھی، شوگر اور بلڈ پریشر، نیند کا کم آنا پہلے ہی سے تھا، نیند کی حالت میں اچانک کھانسی شروع ہوجاتی اور نیند غائب ہوجاتی، ان تمام امراض کے بیک وقت ہجوم سے صحت کافی متاثر ہوئی، مگر حضرت اقدس ہمت اور استقلال کا پہاڑ بنے رہے، تدریس وتبلیغ میں کوئی خاص فرق نہیں آیا اور دور ونزدیک کے دینی واصلاحی اسفار بھی ہوتے رہے گویا زبانِ حال سے فرماتے ہوں ۔

رخ زرّینِ من منگر کہ پائے آہنی دارم
چہ می دانی کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم

ترجمہ:- میرے زرد چہرے کو نہ دیکھو بلکہ میرے پاس فولادی پاؤں ہے، تمہیں کیا خبر کہ میرے باطن میں کیسے قدرت والے شہنشاہ کی تجلی جلوہ فگن ہے۔

حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے اشاعت دین، خدمت خلق اور مجاہدہ فی

سبیل اللہ کا ایسا قوی جذبہ عطا فرمایا ہے کہ حالات وکیفیات کے ٹکراؤ سے کبھی ان کے اندر اضمحلال نہیں آیا، شاید اسی جذبۂ بیکراں کا اثر تھا کہ بیماری کے ان ایام میں حضرت والا نے ایک مبارک خواب دیکھا جس کو صاحبزدۂ محترم جناب مفتی محمد احمد اللہ صاحب زیدمجدہٗ (قائم مقام ناظم اعلیٰ مدرسہ) نے اپنی بیاض میں قلم بند فرمایا اور راقم کو بھی اس سے مستفید فرمایا، مفتی صاحب کی تحریر بعینہ نقل کی جاتی ہے ''آج شب شنبہ ۲۵ر صفر ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۶ر نومبر ۲۰۱۶ء حضرت والا کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی، دیکھا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم پھولپور دولت کدہ پر تشریف فرما ہیں، اور قریب کے علاقوں کا سفر کرنا ہے، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب میں یہیں رہوں گا اور جہاں پر جانا ہوگا یہیں سے جاؤں گا، تو حضرت والا نے فرمایا کہ گاڑی لاؤ (فارچونر) اور عرض کیا کہ حضور سب کچھ آپ کا ہے، میں پیسہ کو بالکل کچھ نہیں سمجھتا اور نہ ہی کبھی سوچتا ہوں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ہاں یہ تو میرا گھر ہے یہاں پر مجھ کو بالکل بھی تکلف نہیں ہے'' (انتہیٰ بلفظہٖ)

الحمدللہ وبارک اللہ کیسے کیسے عظیم فوائد اور انعامات پر مشتمل یہ مبارک خواب ہے، اہلِ دل اور اہلِ علم حضرات ہی زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں، البتہ راقم اپنی فہم نارسا کے مطابق عرض کرتا ہے کہ اس بیماری کے ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دولت کدہ پر دیکھنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کارِ نبوت کی تبلیغ جاری ہے

اوران شاء اللہ عند اللہ وعند الرسول مقبول اور پسندیدہ بھی ہے، دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا: ''اب میں یہیں رہوں گا، جہاں پر جانا ہوگا یہیں سے جاؤں گا'' اس جانب مشیر ہے کہ اشاعتِ دین کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو (دولت کدہ حضرت والا) پسند فرمالیا ہے، اور اس خاندان سے ان شاء اللہ تا قیامت اعلاء کلمۃ اللہ کا سلسلہ جاری رہے گا، ع:-

ایں دعاء از من و از جملہ جہاں آمین باد

اس کے علاوہ حضرت والا کی فنائیت، استغناء، اللہ اور اس کے رسول پر قربان ہونے کا جذبہ نیز جانبین سے شدّتِ تعلق بھی مترشح ہے، فالحمد للہ والمنّۃ۔

راقم نے متعدد داخلِ سلسلہ حضرات کے متعلق سنا کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں، جب موقع پر پہونچے تو حضرت والا کی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اس سے بھی حضرت اقدس کا اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کی اتباع اظہر من الشّمس ہے۔

وقت اپنی کرشمہ سازیوں کے ساتھ گذرتا رہا، وقت کا کام ہی ہے بچے کو جوان، جوان کو ضعیف، قوی کو کمزور اور کمزور کو قوی کرنا، گردشِ ایام سے کس کو مفر ہوسکتا ہے، حضرت والا کے ضعف اور مرض میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا، تا آنکہ ۲۹/ربیع الاول بروز جمعرات بذریعہ کار کچھ دینی اجلاسات میں شرکت

کی غرض سے لکھنؤ ومضافات کے سفر پرتشریف لے گئے اور۲؍ربیع الثانی بروز یکشنبہ دولت کدہ پھولپور واپسی ہوئی، مرض میں مزید اضافہ ہوگیا تھا اس لئے مدرسہ تشریف نہیں لائے، ۶؍ربیع الثانی بروز جمعرات بغرضِ علاج اعظم گڈھ تشریف لے گئے، واپسی میں تھوڑی دیر کے لئے مدرسہ تشریف لائے، راقم کو زیارت کا شرف ملا، پھر پھولپور تشریف لے گئے، جمعہ کے روز نماز جمعہ میں بیان نہیں فرمایا بلکہ اذانِ اول (جو بیان کے بعد ہوتی ہے) کے بعد تشریف لائے، اور پچھلی صفوں میں ہی نماز ادافرما کر مکان میں تشریف لے گئے، ادھر صاحبزادگان محترمان کا اصرار ہورہا تھا کہ حضرت والا کسی ہسپتال میں ایڈمٹ ہوجائیں، مگر حضرت کوانشراح نہیں ہورہا تھا، جمعہ کے بعد بعض نیازمندوں نے بھی یہی عرض کیا کہ حضرت والا کا اس وقت کسی ہسپتال میں داخل ہوجانا از بس ناگزیر ہے، تھوڑی دیر تک ناز ونیاز کی کشمکش جاری رہی بالآخر حضرت والا نے محبین کی خوشی کی خاطر اسے منظور فرمالیا، اور اہلِ خانہ کے مشورہ سے بمبئی جانا طے ہوگیا، لہٰذا اگلے روز ۸؍ربیع الثانی بروز شنبہ بذریعہ فلائٹ صاحبزادۂ محترم مفتی محمد اجوداللہ صاحب (نائب ناظم مدرسہ) کے ہمراہ بمبئی تشریف لے گئے، بروز یکشنبہ اچانک قلب میں شدید درد ہوا، اوراسماعیلیہ ہاسپٹل تشریف لے گئے، ظہر کی نماز میں مولانا جمال انور صاحب (نائب ناظم مدرسہ) نے حضرت والا کی علالتِ طبع کا اعلان کیا اور انتہائی رقت اور گریہ وزاری کے ساتھ دعاء فرمائی،

پورے مدرسہ میں غم کا سماں تھا، ہر قلب بے قرار اور مضطر تھا، پھر شام تک افاقہ کی خبر آئی تو کچھ اطمینان اور سکون ہوا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، چنانچہ اگلے روز دوشنبہ کو اعلان ہوا کہ تمام طلبہ اور اساتذہ مسجد پہونچیں، معلوم ہوا کہ ہم سب کے مشفق ناظم اعلیٰ حضرت والا زید مجدہٗ کو عارضۂ قلب لاحق ہوا ہے، اور حضرت والا اس وقت آئی سی یو میں ہیں، شعبہ حفظ میں سوا لاکھ ''یَـــا سَلَامُ'' کا ورد کرایا گیا، اس کے بعد مسجد میں حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نے انتہائی خشوع وخضوع اور تضرع وزاری کے ساتھ دعا کرائی۔

حضرت مولانا نے اپنی دعا میں فرمایا کہ یا اللہ حضرت مفتی صاحب ہم سب کے لئے آپ کی دی ہوئی ایک عظیم نعمت ہیں، ہم سب نے اس نعمت عظمیٰ کی ناقدری کیا، اے اللہ ہمیں معاف فرما اور اس نعمت کو ہمیں پھر واپس فرما، اور اس کی قدردانی کی توفیق عطا فرما، نیز فرمایا: ''اے اللہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ کے جس چشم وچراغ سے آپ نے اس مدرسہ کی آبادکاری کا کام لیا ہم اسے مزید اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں، اور اپنی زندگی کے بعد حضرت مولانا پھولپوری کی نسل سے ہی اس گلشن کی آبیاری چاہتے ہیں، اے اللہ قیامت تک کے لئے اسے قبول فرمالے'' (انتہٰی مختصراً) یقیناً حضرت والا اس وقت امت مسلمہ کے لئے نعمت عظمیٰ ہیں، حضرت والا کی علالت کی خبر جو بھی سنتا وہ یہی کہتا کہ حضرت ہمارے لئے بہت بڑی نعمت ہیں اور ابھی حضرت ان شاء اللہ مزید

باحیات رہیں گے، دین کا بہت کام ابھی حضرت والا سے ہونا باقی ہے، عوام وخواص کے ان جملوں سے اس بات کا غلبۂ ظن ہونا قرین قیاس ہے کہ ان شاء اللہ حضرت والا سے مزید دین کی خدمت مقدر ہے۔ ع:-

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

پھر اس کے بعد ہر نماز میں دعاؤں کا اہتمام جاری رہا، متعدد دفعہ سوا لاکھ ''یا سلام '' کا ورد کرایا گیا، اور دورۂ حدیث شریف وتکمیلات کے طلبہ سے ختم بخاری شریف کرائی گئی، اس کے ماسوا علاقے کے تقریباً تمام چھوٹے بڑے مدارس کے مہتمم حضرات نے خاص دعاؤں کا اہتمام کرایا، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو دارین کی سعادت سے مالا مال فرمائے۔ (آمین)

پورا مدرسہ سوگوار تھا ''وَتَظُنُّوْنَ بِاللهِ الظُّنُوْنَا'' (الاحزاب:۱۰) (تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کا گمان کررہے تھے) کا ماحول بنا ہوا تھا، یوں تو جب بھی حضرت والا کہیں تشریف لے جاتے ہیں تو مدرسہ گویا ویران ویران سا لگتا ہے، مدرسہ تو خیر دنیا کی ایک جگہ ہے، عاشق کو تو بہار جنت بھی بدون دیدار محبوب کے خزاں صورت معلوم ہوتی ہے۔

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تیری جلوہ گاہ ہو

حضرت والا کی مجلسیں ، وہ ارشادات وفرمودات ، وہ مسکرانے میں

روتا ہوا، اور رونے میں مسکراتا ہوا نورانی چہرہ، وہ شفقتیں، وہ محبتیں!! ان سب پر ماضی کا دھندلا سا چھا گیا تھا، ہر شخص تصویر درد بنا ہوا تھا، مدرسہ کے در و دیوار اور ذرّے ذرّے سے گویا یہی صدا آرہی تھی۔

اے تیر غمت را دل عشاق نشانہ خلقے بتو مشغول و تو غائب زمیانہ
گہ معتکف دیرم و گہ ساکن کعبہ یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بخانہ

ترجمہ: اے وہ محبوب کہ تیرے غم کی تیر نے عاشقوں کے دل کو نشانہ بنایا ہے، ایک مخلوق تجھے ڈھونڈ رہی ہے اور تو درمیان سے غائب ہے، میں کبھی دیر اور کبھی حرم کا چکر لگاتا ہوں، اور تجھے ہر جگہ ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔

حضرت والا کو عارضۂ قلب کے ساتھ زیادتی شوگر کے سبب گردہ بھی متاثر تھا، محترم مفتی احمد اللہ صاحب زید مجدہٗ نے راقم سے بیان فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب سے میری بات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ آپ کے والد صاحب کی کیفیت تو ہمارے ڈاکٹری کے لحاظ سے قابو میں آنے والی نہیں تھی صرف آپ لوگوں کی دعاؤں کا ہی کرشمہ ہے، یقیناً اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کی محبت خواص وعوام کے قلوب میں القاء فرما کر اپنی محبوبیت اور مقبولیت کا اعلان فرمایا اور ان کی دعاؤں کو حضرت اقدس کی شفا و عافیت کا ذریعہ بنا کر پوری امت مسلمہ پر رحم وکرم کا معاملہ فرمایا، اس لئے کہ حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ اور عالم اسلام کا جو درد دیا ہے اس کا اظہار بطور خاص حضرت کی دعاؤں میں ہوتا ہے،

جس کو ہر ایک حاضر مجلس بخوبی جانتا ہے، کہ کس سوز اور درد کے ساتھ امت مسلمہ اور عالم اسلام کی سر بلندی کے لئے حضرت والا بارگاہِ ایزدی میں نالہ وفریاد کرتے ہیں، کبھی کبھی حضرت والا کی اس کیفیت کو دیکھ کر راقم کو غزوۂ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا منظر یاد آتا ہے جو آپ نے فرمایا:

''أَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَنْ تُعْبَدْ فِيْ الْأَرْضِ اَبَدًا'' (مسند احمد: ۳۳۴/۱) جب ایک امتی کے درد وغم کا یہ حال ہے تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں محبت اور رحمت کا کیسا بحر مواج موجزن ہوگا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْفُ أَلْفِ مَرَّةٍ كَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى.

ابھی حضرت والا آئی سی یو میں تھے، گردہ آہستہ آہستہ معمول پر آرہا تھا، ڈاکٹروں نے انجو پلاسٹک تجویز کیا لیکن جسم میں ابھی وہ قوت نہیں تھی، اس لئے ایک ہفتہ کے بعد ۱۷/ربیع الثانی بروز دوشنبہ کو اے نجیو پلاسٹی ہوئی، اور الحمدللہ کامیاب رہی۔

اے نجیو پلاسٹی کے دوران ایک خاص واقعہ یہ پیش آیا کہ قلب کی تصویر جو اسکرین پر نظر آرہی تھی، اس کے اردگرد نور پھیلا ہوا محسوس ہورہا تھا، جس کو ڈاکٹروں نے واضح طور پر دیکھا، اور ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھو! اللہ والوں کا دل اس طرح ہوتا ہے، پھر شام تک وہاٹس ایپ پر حضرت والا کا ایک محبت بھرا

پیغام عاشقوں کی تسلی کے لئے ان الفاظ کے ساتھ موصول ہوا ''الحمدللہ اس وقت بندہ بہت اچھا ہے، روبصحت ہے، دوستوں کی دعا کام آگئی، جولوگ محبت والے ہیں گھروں میں تنہائیوں میں دورکعت نماز پڑھ کر دعا کریں، اللہ تعالیٰ بابرکت زندگی دے، ہمیں ہمارے دوستوں کو دین عطا فرمائے، دین سب سے بڑی پراپرٹی ہے، اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اللہ تعالیٰ ہمیں خوشحالی بھی دے، امراض سے صحت بھی دے، آخرت کی فکر بھی دے، بچوں کو نیک صالح بنائے، بیویوں کو ساتھ میں جنتی بنائے، میں سب کے لئے دعا کرتا ہوں'' (انتہیٰ بلفظہٖ)

سبحان اللہ! یہ ہیں شفقت علی الخلق اور دین سے شدت تعلق کی مثالیں، کہ ایسے موقع پر جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو حیاتِ نو سے نوازا، اگر یاد آئی تو دین کی تڑپ اور طلب محسوس ہوئی تو دین کی، اس سے حضرت والا کا دین وشریعت سے شدید تعلق اور محبت اظہر من الشّمس ہے، اس لئے کہ کسی بھی ناگہانی حادثے کے وقت نفسیاتی طور پر انسان کی غایت فکر اپنے عزیز ترین متاع کی طرف منتقل ہوتی ہے، نیز اس موقع پر جب کہ حضرت والا ''اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ'' کے مظہر ہیں، اپنے محبین اور متعلقین کو دین ودنیا کے فلاح وبہبود کی دعاؤں سے نواز کر ''مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ'' (سنن ترمذی:۲/۱۷) کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا، اس پیغام محبت سے عاشقوں کو کیا کچھ

مژدۂ جانفزا املا، امکانِ بیان سے خارج ہے، بس اتنا عرض ہے کہ ع:-

لذت مے نہ شناسی بخدا تانہ چشی

دوا علاج کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ وہ وقت مسعود بھی آیا گیا جب حضرت والا نے مدرسہ کے اداس اداس اور بجھے بجھے فضاء کو اپنے نور عرفانی ایمانی سے منور فرمایا اور خزاں رسیدہ اجڑے ہوئے چمن میں قدومِ میمنت لزوم سے سدا بہاری رونقیں لوٹ آئیں، راقم مسجد میں ظہر کی سنت قبلیہ میں مشغول تھا کہ حضرت والا کی تشریف آوری محسوس ہوئی، فرط مسرت سے کیفیت کچھ اس طرح دگرگوں ہونے لگی کہ ذہن تیزی سے اس واقعہ کی طرف منتقل ہوا جب یوم وصال میں فجر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز کی حالت میں دیکھا، صحابہ کو بھی آپ کے وجود کا احساس ہوا تو یوں معلوم ہو رہا تھا، گویا نماز توڑ دیں گے۔

الغرض ایک عرصہ کے بعد اہلِ مدرسہ اپنے مشفق و محسن، مربی ناظم اعلیٰ کی زیارت سے مشرف ہو رہے تھے، ہر فرد بشر بزبانِ حال یوں نغمہ سرا تھا۔ ع:-

باز آمد شاہِ من در کوئے من

(میرا بادشاہ میری گلی میں واپس آ گیا)

تمام اساتذۂ کرام اور طلبۂ عزیز سراپا شوق، پیکرِ تمنا، یوں عرض گذار تھے ۔

بنمائے رخ کہ خلقے والہ شوند و حیراں
بکشائے لب کہ نالہ از درد دل برآید

ترجمہ: اے محبوب! رخِ زیبا کی زیارت کرادو، کیوں کہ ایک مخلوق پریشان اور حیران ہے، ذرا اپنے لبوں کو کھولو! کیوں کہ دردِ دل سے فریاد اٹھ رہی ہے۔

حضرت والا نے حاضرین کی اس کیفیت کو محسوس فرمایا، اور کرسی پر جلوہ افروز ہوکر مختصراً ارشاد فرمایا ''اللہ ربّ العالمین کا بے شمار انعام اور احسان ہے کہ اس نے مصیبت کو بھی مؤمن کے لئے نعمت بنایا، تھوڑی سی تکلیف دیکر روح کو پاک کرتے ہیں، بخار کے ذریعہ انسان کے روئیں کے نیچے کے گناہ جھڑ جاتے ہیں، تھوڑی سی بیماری آئی اور اللہ تعالیٰ کے لطف اور اس کی عنایت اور نصرت سے بڑی آسانی سے گذر گئی، آپ حضرات اور تمام دوستوں اور خیر خواہوں کی دعاؤں نے اسے اور آسان بنادیا، اللہ تعالیٰ سبھی حضرات کو اپنی شایان شان جزا اور بدلہ دیں، تمام دعا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے یہاں سے مزید انعامات سے نوازے، یقیناً ڈاکٹروں کو بھی حیرت تھی، کہ دوا سے بھی زیادہ فائدہ دکھائی دے رہا ہے، اس لئے وہ اعتراف کرنے پر مجبور تھے کہ دعائیں تیز کام کررہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی معیت ہوتی ہے تو طوفان بھی ٹل جاتے ہیں اور اس کی نصرت وعنایت سے بڑے بڑے مشکل مرحلے آسان ہوجاتے ہیں۔ (اختصار شدہ)

اگلے روز جمعرات کو راقم پھولپور خدمتِ فیض درجت میں حاضر ہوا، الحمدللہ حضرت والا اپنے ارشادات سے مستفید فرماتے رہے، صاحبزادگان محترمان نے درخواست کیا کہ حضرت والا تقلیل کلام کو عمل میں لائیں ورنہ صحت کے لئے مضر

ہوگا، مگر افادہ واستفادہ ہی جس کی زندگی کا مقصد اور حیاتِ مستعار کا عین ہدف ہو، اس کی نظر ان باتوں کی طرف کب جاتی ہے، وہاں تو بس حال یہ ہے کہ ؎

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

دورانِ گفتگو حضرت والا نے ارشاد فرمایا: ''ہسپتال کے اندر تنہائیوں میں قرآن وحدیث میں غور وخوض کا خوب موقع ملا، اور علمی نکات خوب کھلے'' راقم عرض کرتا ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ کشتی حیات بظاہر بھنور میں ہے مسائل علمیہ میں انہماک لذت علم سے آشنائی کی وہ دولت بے بہا ہے جو انسان کو دونوں عالم سے بیگانہ کرتی ہے، نیز فرمایا کہ یہ شعر بکثرت یاد آتا رہا ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
ہر چہ کنی رضائے تو دل شدہ مبتلائے تو

راقم عرض کرتا ہے کہ انسان مجاہدات سے گذر کر فنائے نفس کے اس مقام تک پہونچتا ہے کہ اسے اپنا جسم اور روح بھی اپنا نظر نہیں آتا، بلکہ ہر چیز کو وہ عطیۂ خداوندی یقین کرتے ہوئے اسی طرح کا معاملہ اس کے ساتھ کرتا ہے، پھر تسلیم ورضا کی کیفیت اس کے اندر راسخ ہو جاتی ہے، اور اپنے اندر ہونے والے ہر تغیر میں دستِ قدرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے خنجر تقدیر کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے، چنانچہ ہر رنج وغم پر طبعی غم کے باوجود عقلی خوشیاں اس کو میسر ہوتی ہیں، اور اس پر جو لذت ملتی

ہے اس کو تو صرف وہی عاشق وعارف سمجھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت والا کو تسلیم ورضا کا وہ مقام عطا فرمایا ہے جس کا اظہار مذکورہ بالا شعر سے ہوتا ہے۔

نیز حضرت والا کے اس مقام کا مشاہدہ ہر وارد وصادر کرسکتا ہے کہ کسی بھی حالت میں بے صبری یا شکوہ وشکایت کا جملہ تو کجا مخلوق کے سامنے اظہار غم بھی غیرتِ توحید کو گوارہ نہیں، بلکہ ہر حال میں فیصلۂ خداوندی پر خوش نظر آتے ہیں اور ایسے موقع پر حضرت والا کے باطنی کمالات بھی کھل کر سامنے آتے ہیں جس سے مسترشدین کو عبرت پذیری اور سلیقہ بندگی سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اکابرین امت ونائبین رسول کی قدردانی اور ان کی محبت ومعرفت نصیب فرمائے۔ آمین۔ (مضمون مکمل ہوگیا)

سوئے حرمین شریفین:

۱۷ر نومبر ۲۰۱۷ء کو عمرہ کے ارادے سے مکہ ارض مقدسہ کا سفر کیا اور ۲۵ر نومبر کو مکۃ المکرّمہ میں پاؤں میں چھالہ ہونے کی وجہ سے ''النور'' نامی ہسپتال میں علاج کے لیے داخل ہوئے، پاؤں میں آپریشن ہوا، زخم خشک ہونے کے لیے دوتین دن تک ہسپتال میں رکنا پڑا، ہسپتال سے ابھی چھٹی نہیں ملی تھی کہ ۳۰ر نومبر ۲۰۱۷ء کو صبح پھر دل کا دورا پڑا اور وہیں انتقال کر گئے۔ (إنّا للّٰہِ وَإنَّا إلَیہِ رَاجِعُونَ)

انتقال کے دن قمری حساب سے مکہ المکرّمہ کی تاریخ ۱۲ر ربیع الاوّل ۱۴۳۹ھ تھی، آپ کے جنازے کی نماز عشاء کے بعد امام حرم شیخ محمد خالد الغامدی

حفظہ اللہ نے پڑھائی، اور مکۃ المکرّمہ کی معروف قبرستان ''جنت المعلّٰی'' میں مدفون ہوئے۔

اسی قبرستان میں ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور علم حدیث کے معروف ومشہور عالم قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور ہندوستان کے مشہور بزرگ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی مدفون ہیں، اللہ تعالیٰ ان معزز ہستیوں کی قبروں کو نور سے بھر دے۔(آمین)

آخری لمحات:

حضرت کے ساتھ عمرہ کرنے متعدد افراد گئے تھے،ان میں کئی لوگوں کا بیان ہے:

حضرت مفتی صاحب کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے،علاج کے لیے مکۃ المکرّمہ کے مستشفی النور میں داخل ہوئے، دوتین دن میں چھالے خشک ہوگئے اور جمعرات ۳۰/نومبر کو ڈسچارج ہونے والے تھے، دوران علاج حضرت نے ارباب خانہ کو مدینہ روانہ کردیا، بدھ کو میزبان نے کہا کہ کل جمعرات ہے اور ۱۲/ربیع الاوّل بھی ہے، کل بذریعہ طیارہ مدینہ چلتے ہیں، روضۂ اقدس پر سلام پیش کرکے شام تک واپس آجائیں گے، بقول میزبان اس پیشکش پر حضرت نے رخ پھیر کر زیرلب تبسم کے ساتھ فرمایا کہ میں خود ہی ملاقات کرلونگا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر یہ بات منکشف ہوچکی تھی کہ صبح تو سفر آخرت درپیش ہے، بدھ کی رات ہی سے بے چینی شروع ہوگئی۔

میزبان یعنی حاجی محمد سیف صاحب (خلیفہ حضرت والا علیہ الرحمہ) کے ساتھی جو خدمت پر مامور تھے، حضرت نے ان سے فاتحہ پڑھنے کے لیے فرمایا، سورہ فاتحہ کی تلاوت جاری رہی اور حضرت بھی پڑھتے رہے، اس اضطرابی کیفیت میں جب کہ کلمہ اور آیات ربانی کا ورد جاری تھا، صبح پانچ بج کر چالیس منٹ پر روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، سارا عالم بالخصوص حلقۂ ارادت سوگوار ہوگیا، تدفین کے لیے جنت المعلّٰی میں اس خطہ میں جگہ ملی جہاں خارجی کیا داخلی کو بھی ۱۶ برس سے جگہ نہیں ملی۔ حضرت کو غسل دینے والے عرب ملازمین کا بیان ہے کہ کسی کی موت کے بعد اتنا نورانی اور مسکراتا ہوا چہرہ سولہ سال کی ملازمت کے دوران پہلی بار دیکھا ہے۔

نشان مرد مؤمن با تو گویم　　　چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

ترجمہ: میں تم کو مرد مؤمن کی نشانی بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب اسے موت آتی ہے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی ہے۔

حضرت والا علیہ الرحمہ زندگی بھر ہر حال میں مسکراتے رہے اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تب بھی مسکراتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر ہمیشہ شبنم افشانی کرے۔ (آمین)

جنت المعلّٰی:

جنت المعلّٰی مکۃ المکرّمہ کا قبرستان ہے، حدود حرم میں واقع ہے، یہ ایک

حقیقت ہے کہ دنیا کی ساری زمین عرب وعجم ذاتی طور پر سب برابر ہے، کسی جگہ کو کسی دوسری جگہ پر کوئی فوقیت اور فضیلت حاصل نہیں ہے، البتہ کچھ جگہوں کو حق تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت اور برکت کے لیے منتخب کرلیا ہے۔

فضیلت اور برتری کا یہ انتخاب فرشتوں، آدمیوں، رسولوں، زمانوں اور آسمانوں میں بھی ہوا ہے، فرشتوں میں بعض کو بعض پر فوقیت دی گئی ہے، زمانوں میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی گئی ہے، دنیا کی سب سے جلیل القدر جماعت انبیاء علیہم السلام میں بھی انتخاب برتری کا یہ عمل جاری ہوا ہے، قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس فوقیت اور فضیلت کو بیان کیا ہے، فرشتوں میں انتخاب کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ﴾ [البقرة: ۲۵۳]، (یہ وہ رسول ہیں، جن میں سے ہم نے بعض کو بعض کے اوپر فوقیت بخشی، ان میں بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوئے اور بعضوں کے درجے ہم نے بلند کئے)۔

عام آدمیوں کے فوقیت کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلَآئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا آتَاكُمْ ﴾ [الأنعام: ۱۶۵]، (اور اللہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا، اور تم میں بعض کو بعض پر بلند کردیا، تاکہ وہ

تم کو اپنی دی ہوئی چیزوں میں آزمائے)۔

ٹھیک اسی طرح بعض جگہوں کو دوسری بعض جگہوں پر اللہ نے فضیلت بخشی ہے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے دوسری اور تمام جگہوں کے اوپر جو فوقیت دی ہے، وہ ظاہر ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ کی نسبت فرماتا ہے:

﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [آل عمران:۹۶]،(بے شک پہلا گھر جو مقرر کیا گیا، لوگوں (کی عبادت) کے لیے یہی ہے جو مکہ میں ہے، جو برکت والا اور ساری دنیا کے لیے رہنما ہے)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

”مذکورہ آیت میں ساری دنیا کے مکانات یہاں تک کہ تمام مساجد کے مقابلہ میں بیت اللہ یعنی کعبہ کے شرف اور افضلیت کا بیان ہے“۔(معارف القرآن:۱۱۳/۲)

مکہ مکرمہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

”مَا أَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَأَحَبَّكِ إِلَيَّ، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمِيْ أَخْرَجُوْنِيْ مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ“. (ترمذی شریف)

(تو کتنا اچھا شہر ہے اور تو مجھے بہت ہی پیارا ہے، اگر میری قوم کے لوگ

مجھے یہاں سے نہ نکال چکے ہوتے، تو میں اس شہر کے علاوہ کہیں اور نہ رہتا۔

حرمین میں وفات کی فضیلت:

حرم کی سرزمین نہایت بابرکت اور مبارک ہے، اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں دم بہ دم اترتی رہتی ہیں، اگر یہاں کسی کا انتقال ہوتا ہے اور تدفین ہوتی ہے، تو بڑی سعادت کی بات ہے، یہ اللہ کی دین ہے، اس میں کسی کا اختیار نہیں ہے، ایسے شخص کے لیے بے شمار فضیلتیں احادیث میں آئی ہیں، ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "وَمَنْ مَاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْآمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ". (السنن الصغير للبيهقي: ٢/ ٢١١ رقم: ١٧٧١)

(اور جس کسی کی حرمین (یعنی مکہ و مدینہ) میں سے کسی ایک میں وفات ہوئی، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے امن والوں میں اٹھائے گا)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ مَاتَ فِيْ أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ، اِسْتَوْجَبَ شَفَاعَتِيْ، وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الآمِنِيْنَ".
(المعجم الكبير للطبراني: ٦/ ٢٤٠ رقم: ٦١٠٤)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کی حرمین میں سے کسی ایک میں وفات ہوئی، تو اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی، اور وہ قیامت کے دن امن والوں میں ہوگا)۔

ایک اور حدیث میں ہے: ’’عَنْ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنْ زَارَنِيْ کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا أَوْ شَہِیْدًا، وَمَنْ مَاتَ فِيْ أَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَہُ اللّٰہُ فِي الآمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ‘‘. (سنن أبي داود الطیالسي: ۱/ ۶۶ رقم: ۶۵)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی، میں اس کا سفارشی یا گواہ بنوں گا، اور جس کی حرمین میں سے کسی ایک میں وفات ہوئی، تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن امن والوں میں اٹھائے گا۔

ان احادیث سے واضح ہے کہ مکہ مکرمہ میں وفات پانا اور اسی زمین میں پیوند خاک ہوجانا فضیلت سے خالی نہیں ہے؛ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق قیامت کے دن عذاب سے مامون ہوگا، اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔

پسماندگان:

حضرت کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، پانچ لڑکے، تین لڑکیاں، چار بہوویں اور دس پوتے پوتیاں اور ایک نواسہ، دو نواسیاں ہیں۔

پھولپور سے دو کلومیٹر پر شمال میں ایک گاؤں ’’برولی‘‘ ہے، اس میں حضرت مولانا عبد الغنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے متعدد متعلقین آباد تھے، ان میں

ایک محترم شخصیت جناب حافظ معروف صاحب کی بھی ہے، انھیں کی صاحب زادی سے ۱۹۸۲ء میں حضرت کا نکاح ہوا، اہلیہ محترمہ ابھی باحیات ہیں اور انتقال کے وقت حضرت کے ساتھ تھیں، اللہ تعالیٰ ان کو صحت منداور تندرست رکھے اور ان کے سایہ کو ہمارے اوپر دیر تک قائم رکھے۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

علماء کے تاثرات

مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کا صدمہ پورے ہندوستان نے محسوس کیا، جو بھی یہ خبر سنتا دل میں ایک درد محسوس کرتا، والد محترم جناب مولانا حسن رضا صاحب قاسمی نے سنا تو حیرت سے کہنے لگے، ابھی تو ان کی صحت اچھی تھی، عمر بھی کچھ زیادہ نہیں تھی، کب انتقال ہوا؟ کیا ہوا تھا؟

مختلف جگہوں میں تعزیتی جلسے ہوئے، ہفتوں یہ خبریں اخبارات میں آتی رہیں، متعدد لوگوں نے مضامین اور مقالے لکھے، کئی حضرات نے تعزیتی مکتوب بھی بھیجے، ان میں علماء ومشائخ کے تاثرات بھی ہیں، ہم ان میں سے کچھ یہاں نقل کرتے ہیں:

حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی:

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ العلماء ہند لکھتے ہیں:

''انھوں (مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوریؒ) نے اپنی مختصر عملی زندگی

میں ایسے ایسے اہم ترین امور انجام دیئے کہ عام طور پر لوگ ایسے کام طویل مدت ہی میں انجام دے پاتے ہیں، ایک طرف حدیث پاک کا درس بھی دیتے تھے تو اسی کے ساتھ مدرسہ بیت العلوم کے انتظام وانصرام کی طویل خدمت بھی انجام دیتے تھے اور انھوں نے اپنے حسن اہتمام سے قلیل مدت میں مدرسہ بیت العلوم کو ترقی کے بامِ عروج تک پہونچا دیا، پھر ان مصروفیتوں کے ساتھ بیعت وارشاد اور اصلاح وتربیت کے اہم ترین کام کو بھی بخوبی انجام دے رہے تھے، واقعہ یہ ہے کہ ایسے بافیض عالم کا اس دنیا سے اٹھ جانا ایک ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی شاید عرصۂ دراز میں بھی نہ ہو سکے، بالخصوص دیارِ اعظم گڈھ کی ''مجلس علم وعلماء'' مفتی صاحب مرحوم ومغفور کی اپنے درمیان سے کمی کو تا دیر بھلا نہیں سکے گی''۔(زمینی سچ: مفتی محمد عبداللہ پھولپوری نمبر مورخہ: ۷؍مارچ ۲۰۱۸ء ص ۱۴)

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی:

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مفتی صاحب اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر ایک نمایاں شخصیت کے مالک تھے، انھوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کے لگائے ہوئے باغ ''مدرسہ بیت العلوم سرائے میر'' کی آبیاری کی، اس کے علاوہ وعظ وتبلیغ اور اصلاح وتربیت کی راہ سے امت کو بہت کچھ فیض پہونچایا،

اپنے مرشد محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی قدس سرہٗ کی تربیت سے اصلاح منکرات کا ستھرا ذوق پایا تھا، ان کی وفات سے تلامذہ ومسترشدین کا ایک بڑا حلقہ یقیناً متاثر ہوا ہے، لیکن ان کی روشن اور تابناک زندگی کے عملی نمونوں سے بعد والوں کو رہنمائی حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔(زینی سچ: مفتی محمد عبداللہ پھولپوری نمبر مورخہ: ۷؍مارچ ۲۰۱۸ء ص ۱۴)

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندویؔ:

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم اور مشہور عربی مجلّہ ''البعث الاسلامی'' کے مدیر حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''بلاشبہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوریؔ ایک جید عالم دین اور عظیم مصلح تھے ان کے جد بزرگوار حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ اصلاح وتربیت اور تزکیہ واحسان میں اونچا مقام رکھتے تھے، ان کا حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بیعت وارادت کا تعلق تھا، اس طرح وہ فیوض تھانوی کے امین تھے، مفتی محمد عبداللہ صاحب کے اندر یہ نسبت اپنے جد بزرگوار کی طرف سے منتقل ہوئی، اور شروع سے انھوں نے بزرگوں کے سایۂ عاطفت میں اچھا وقت گذارا، حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کی خدمت میں کچھ وقت گذار کر مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور گئے اور وہاں علوم اسلامیہ کی تکمیل کی، ان کے نامور اساتذہ میں حضرت مولانا مفتی مظفر حسین اور

حضرت مولانا شیخ محمد یونس جونپوری رحمہما اللہ وغیرہ تھے، مفتی محمد عبداللہ صاحب نے فراغت کے بعد مدرسہ بیت العلوم ہی میں تدریسی سلسلہ شروع کیا اور شیخ الحدیث اور صدر مفتی (کے منصب) تک پہونچے اور ایک شیخ ومرشد کا درجہ بھی حاصل کیا، اطراف واکناف بلکہ پورے ملک سے آپ کے پاس استفادہ کرنے والوں کا ہجوم ہوتا، اس کی خاطر وہ سفر کرتے، اور استفادہ وافادہ کے دائرے کو وسیع کرتے، اللہ رب العزت نے گویا ان کو اس عہد میں اصلاح وتربیت کے لیے منتخب کرلیا تھا''۔ (زمینی سچ: مفتی محمد عبداللہ پھولپوری نمبر مورخہ: ۷/ مارچ ۲۰۱۸ء ص ۱۴)

حضرت مولانا نجم الحسن صاحب مظاہری:

مولانا نجم الحسن صاحب مظاہری تھانوی منتظم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ سے کم وقت میں اپنے دین کی اشاعت اور خاص طور پر اصلاح وتربیت کا بہت کام لیا، آپ کے زمانۂ اہتمام میں بیت العلوم نے تعلیمی وتعمیری ہر اعتبار سے نمایاں ترقی کی ہے، آپ طلبہ کے ساتھ بڑی شفقت کا معاملہ کرتے، اور ان کی ہر ضرورت پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے، ان کی سہولتوں کا خیال کرتے، بیت العلوم صرف علم کا گہوارہ ہی نہیں؛ بلکہ اصلاح وتربیت کی ایک درسگاہ بھی ہے، طلبہ کی اصلاح وتربیت پر خاص توجہ فرماتے، بیت العلوم میں جدید طرز سے آراستہ

عمارتیں، صفائی کا خاص نظم، ہر سال سالانہ جلسہ میں عمدہ انتظام دیکھ کر قلبی مسرت ہوتی''۔ (ماخوذ از مضمون مفتی ناصر الدین صاحب مظاہری)

حضرت مولانا عبد العلی صاحب فاروقی:

حضرت مولانا عبد العلی صاحب فاروقی - مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''البدر'' و ناظم دار العلوم فاروقیہ کاکوری لکھنؤ - اپنے مضمون ''جذبات کی سوغات'' میں لکھتے ہیں:

''مفتی صاحب کے علمی، عملی و روحانی مقامات سے ذاتی طور پر ناواقف ہونے کی وجہ سے اس سلسلہ میں نہ کوئی شہادت دینے کے لائق ہوں اور نہ تحریر کر سکتا ہوں، البتہ اسلاف و اکابر کی اصطلاح کے مطابق ''ان کے تخم کی صالحیت'' ناقابل انکار ہے، اور صالحیت کے اندر صلاحیت پیدا کرنے کی بھرپور طاقت ہوتی ہے، اور پھر یوں بھی اگر صرف ان کی نرم خوئی و تواضع ہی پر غور کیا جائے، تو ''بلندی درجات'' کے لیے یہی کافی ضمانت ہے، اپنے مدرسہ کے طلبہ کے ساتھ انتہائی مشفقانہ برتاؤ اور خلق خدا میں ان کی مقبولیت اس پر مستزاد ہے''۔
(فیضانِ اشرف جنوری ۲۰۱۸ء ص ۲۴)

مولانا مرزا اشفاق احمد اصلاحی:

مولانا مرزا اشفاق احمد اصلاحی ناظم مدرسۃ الاصلاح اور جماعت اسلامی ہند کے رکن شوریٰ اپنے خط میں لکھتے ہیں:

''مفتی محمد عبد اللہ پھولپوریؒ ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جس نے

رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیاہے، ان کے دادا مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بیعت اور ان کے خلیفۂ مجاز تھے، انھوں نے نہ صرف اپنے علاقہ میں بلکہ پورے ہندوستان میں اپنے پیرومرشد کے تیار کیے ہوئے طریقے پر رشد وہدایت اور اصلاح وتربیت کا فریضہ تاحیات انجام دیا، مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ اپنے داد کے پیرومرشد کے خلیفہ ومجاز مولانا شاہ ابرارالحق صاحب سے بیعت اور ان کے خلیفہ ومجاز تھے، انھوں نے بھی اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس سلسلہ کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس میں اضافہ بھی کیا، اب وہ بھی اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔(اناللہ واناالیہ راجعون)

اس وقت ہندوستان کے مسلمان جس نازک دور سے گذر رہے ہیں، ہر چہار جانب سے اسلام پر حملے ہورہے ہیں، اس کی بنیادی وجہ مسلمانوں کی دین سے دوری ہے، مرحوم کو بہترین خراج عقیدت یہ ہے کہ ان کے مریدین ومتوسلین اپنے اپنے علاقہ میں مسلمانوں کے قلوب کا تزکیہ کریں اور ان کو دین اسلام سے جوڑنے کی بھرپور کوشش کریں، تاکہ ان کے اندر صحیح دین راسخ ہوسکے، اور ان کے اندر خدا سے حقیقی محبت اور رسول کی والہانہ اطاعت کا جذبہ پیدا ہوسکے اور وہ خیرامت کا فریضہ انجام دے سکیں، نیز اپنے عمل سے اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں‘‘۔(زمینی سچ: مفتی محمد عبداللہ پھولپوری نمبر مورخہ: ۷؍مارچ ۲۰۱۸ء ص ۱۴)

مولانا ظہیر انور صاحب قاسمیؒ:

مولانا ظہیر انور صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم اسلامیہ بستی اپنے تعزیتی مراسلہ میں لکھتے ہیں:

’’حضرت مولانا کی وفات تمام علماء اور مدارس اسلامیہ کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے، ان کی وفات سے علمی وروحانی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے، اس کا پر ہونا مشکل ہے، علمائے دیوبند کی صفوں میں حضرت اپنی ایک الگ شان رکھتے تھے، بلاشبہہ وہ تواضع وانکساری میں نمونۂ اسلاف تھے، ان کی وفات کا صدمہ پوری ملت اسلامیہ ہند کو ہے‘‘۔

مولانا رحمت اللہ صاحب اثری فلاحیؒ:

جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ کے ناظم مولانا رحمت اللہ صاحب اثری فلاحی ایک تعزیتی بیان میں کہتے ہیں:

’’محترم مفتی محمد عبداللہ صاحب کی رحلت کی خبر جامعۃ الفلاح میں رنج وغم کے ساتھ سنی گئی، جامعہ کے متعلقین نے ان کی خدمات کا اعتراف کیا، انھوں نے بتلایا کہ ان کی سرپرستی میں مدرسہ بیت العلوم نئی بلندیوں کو پہونچا، ہم اللہ ربّ العزت سے دعا گو ہیں کہ ان کے جانشین ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے بیت العلوم کو ایک مثالی ادارہ بنائیں گے، مفتی صاحب بلریا گنج تشریف لائے اور ذمہ دارانِ جامعہ کی درخواست پر اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود جامعہ آئے اور

طلبہ کو خطاب کیا، بیت العلوم کی طرف سے شائع کردہ جنتری میں تمام مسالک کا لحاظ رکھا گیا ہے، جو موصوف کی وسعتِ نظر کا غماز ہے، انھوں نے ہر طرف کے اختلافات سے بالاتر ہو کر امت کو جوڑنے کا کام کیا، اور تاعمر اس کے لیے کوشاں رہے''۔ (زمینی سچ: مفتی محمد عبداللہ پھولپوری نمبر مورخہ: ۷/مارچ ۲۰۱۸ء ص ۱۴)

پروفیسر اشتیاق احمد صاحب ظلّی:

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ کے ڈائریکٹر جناب پروفیسر اشتیاق احمد ظلّی اپنے خط میں لکھتے ہیں:

مفتی صاحب کا شمار ان علماء میں تھا، جن کی ملی اور دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا، ان کا حلقۂ اثر بہت بڑا تھا، اور ان کی علمی اور روحانی برکات سے بہت سے لوگ فیض یاب ہوئے، علوم دین کی تعلیم اور توسیع کے میدان میں انھوں نے بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، ان کی نگرانی اور سرپرستی میں مدرسہ بیت العلوم نے صوری اور معنوی دونوں لحاظ سے نمایاں ترقی کی، جس کا عام طور پر اعتراف کیا جاتا ہے، ان کی زندگی دین اور علوم دین کی خدمت کے لیے وقف تھی، اس کا تقاضا ہے کہ ان کے زندگی کے حالات وکوائف کو موجودہ اور آئندہ نسلوں کی رہنمائی کے لیے محفوظ کردیا جائے، دور حاضر کے پیچیدہ اور گوناگوں مسائل میں گرفتار نئی نسل کے لیے جو فکری بے راہ روی اور بے دینی کا شکار ہیں، ایسی شخصیات کی زندگی میں بہت کچھ رہنمائی اور سبق آموزی کا سامان

ہے۔(زمینی سچ:مفتی محمد عبداللہ پھولپوری نمبر مورخہ:۷؍مارچ ۲۰۱۸ء ص ۱۵)

مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی:

جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا محمود اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوریؒ خداترس بزرگ، متقی اور شریف الطبع انسان تھے، وہ سیکڑوں مکاتب ومدارس اور ملی اداروں کے سرپرست اور یکتائے روزگار عالم تھے، ان کے اجداد میں شیخ امانت اللہ اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ جیسی پاک طینت اور مرجعِ انعام شخصیات گذری ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی وراثت کے سچے امین تھے، خود بھی محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ اور ان کے خلیفہ ومجاز تھے، وہاں سے فیض حاصل کرنے کے بعد تاحیات سلسلۂ بیعت وارشاد اور احیائے سنت کے فروغ میں ہمہ تن کوشاں رہے، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ نے جس سوچ وفکر کے ساتھ سرائے میر اعظم گڈھ میں بیت العلوم اور پھولپور میں روضۃ العلوم قائم فرمایا تھا، حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ نے بڑے ہی خلوص سے اس کی آبیاری کی، اوران کے طریقۂ تصوف وتعلیم کے سنگم میں لہر پیدا کی۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

مولانا مرحوم نے اپنی زندگی میں سلوک واحسان کے بتائے ہوئے ان طریقوں کو عملی طور پر پیش کرنے کی کوشش کی، مارچ ۲۰۱۶ء میں ان کی دعوت پر مدرسہ بیت العلوم کے سالانہ جلسہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تھا، اس موقعہ پر ان سے کافی تفصیلی بات چیت بھی ہوئی، دورانِ گفتگو اصلاحِ معاشرہ اور نوجوانوں کی تربیت پر ان کی فکرمندی ظاہر ہوئی۔ (زمینی سچ: مفتی محمد عبداللہ پھولپوری نمبر مورخہ: ۷/مارچ ۲۰۱۸ء ص ۱۵)

مولانا عمیر الصدیق صاحب ندویؔ:

شبلی اکیڈمی کے رکن مولانا عمیر الصدیق ندوی ایک تعزیتی پروگرام میں فرماتے ہیں:

''مولانا کی تعلیمی اور سماجی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا، وہ نہ صرف اعظم گڈھ؛ بلکہ پورے ملک بلکہ بیرون ممالک میں بھی اپنی الگ شناخت رکھتے تھے، انھوں نے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کو جس طرح سے بڑے مذہبی تعلیمی ادارہ میں تبدیل کیا، ان کا یہ کارنامہ قابل تعریف ہے، انھوں نے شریعت وطریقت دونوں کو ملانے کی بڑی حکیمانہ ومخلصانہ کوشش کی''۔ (روزنامہ اردو سہارا یکم/دسمبر ۲۰۱۷ء)

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتح پوریؔ:

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتح پوری فرماتے ہیں:

''مفتی عبداللہ صاحب کا سانحۂ وفات علم وعمل کی دنیا کے لیے ایک روح

فرسا اور جانکاہ خبر ہے، مفتی صاحب کئی نسبتوں کے حامل، حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری کے پوتے، اور محی السنہ حضرت ہردوئی کے مجاز بیعت تھے، بہتوں کی آپ سے اصلاح ہوئی، آپ کی وفات پورے ملت کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے''۔ (انقلاب ممبئی ایڈیشن یکم دسمبر ۲۰۱۷ء)

مولانا مستقیم احسن صاحب اعظمی:

جمعیۃ العلماء مہاراشٹر کے صدر مولانا مستقیم احسن اعظمی فرماتے ہیں:

''مولانا کے انتقال سے ایک بڑا خطہ روحانی شخصیت سے خالی ہوگیا، سچ یہ ہے کہ یوپی کے اس مشرقی خطے میں ایسی کوئی اور شخصیت نہیں تھی، جو مرجع خلائق ہو، جہاں عام لوگ رجوع کرتے ہوں، وہ بڑی کم عمری میں رخصت ہوگئے، لیکن خوش نصیبی کی بات یہ ہے کہ وہ حرمین کی خاک میں پیوند ہورہے ہیں، اللہ ان کا نعم البدل پیدا کرے، تاکہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو انہی کی طرح راستہ دکھایا جاسکے، اور ان کی اصلاح کی جاسکے''۔ (انقلاب ممبئی ایڈیشن یکم دسمبر ۲۰۱۷ء)

حضرت مولانا سید اشہد صاحب رشیدی:

مولانا سید اشہد رشیدی صدر جمعیۃ علماء اترپردیش ومہتمم جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

مفتی (محمد عبداللہ) صاحب مرحوم اگر ایک طرف استاذ حدیث تھے تو دوسری طرف ولی کامل بھی تھے، گم گشتہ راہوں کو تعلق مع اللہ کی عظیم دولت سے

مالا مال کرنا اور تشنگانِ علوم نبوت کو قال اللہ اور قال الرسول کے پرانوار کلمات سے سیراب کرنا آپ کا دن ورات کا مشغلہ تھا، آپ اپنے بزرگوں کے علوم اوران کی روایات کے امین تھے، امت کا درد لیے پھرتے رہنا اور شب وروز ان کی اصلاح کی فکر میں مشغول رہنا آپ کا وصفِ خاص تھا، آپ کی وفات سے مدرسہ بیت العلوم ایک باحوصلہ سرپرست سے محروم ہوگیا، مسند درس پر خاموشی چھاگئی اور حلقۂ بیعت وارشاد سونا پڑ گیا۔ (زمینی سچ: مفتی محمد عبداللہ پھولپوری نمبر مورخہ: ۷/مارچ ۲۰۱۸ء ص ۱۵)

حضرت مولانا عبدالرشید صاحب مظاہریؔ:

حضرت مفتی صاحب کے استاذ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب مظاہری استاذِ حدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اپنے مضمون کے آخری پیراگراف میں لکھتے ہیں:

’’ادائیگی عمرہ ہوئی، طواف کعبہ ہوا، ارکان عمرہ ادا ہوئے، جو جو مقدر تھا کیا اور آخر میں ایک بار پھر بڑے سکون سے اہل وعیال کو مدینہ طیبہ بھیجا اور خود خاموشی سے سورہ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہوئے اور ملک الموت سے مسکرا کر ملتے ہوئے بارگاہ ربّ العزت کا سفر سدھار گئے، وہ تو مولیٰ کی محبت میں مست تھے، ان کو اس سفر کی خوشیاں مبارک ہورہی تھیں؛ مگر اِدھر ایک دنیا پر رنج وغم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، غم کے بادل پھٹ گئے، آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا رواں ہوا، دلوں پر کیا گزری، ہر دل والا خود جانتا ہے، مدرسہ بیت العلوم ماتم کدہ بن گیا، قلوب

پژمردہ ہوگئے، اب وہ بندۂ خدا مسجد نذیر کے مصلے پر آنے کو نہیں، دارالحدیث اور رواقِ پھولپوری کی نگرانی کرنے کو نہیں، مہمانوں سے مسکرا کر ملنے کو نہیں، دسترخوان پر شریک ہونے کو نہیں، بیت العلوم کے اجلاس میں مسجد کے اجلاسوں میں اب زینت بننے والا نہیں؛ مگر فضل خداوندی، قضاء الٰہی، تقدیر الٰہی جو ہوا وہ ہونا تھا، وقت آچکا تھا، ﴿ ألا إنَّ أجَلَ اللهِ إذَا جَاءَ لا يُؤَخَّرُ ﴾ []، ہم سب قضاء الٰہی پر راضی ہیں''۔ (فیضان اشرف جنوری ۲۰۱۸ء ص:۱۲)

مظاہر علوم وقف سہارن پور:

مظاہر علوم وقف سہارنپور کے تعزیت نامہ میں ہے:

''آپ پڑھنے کے زمانہ میں ہی نیک وشریف وکم گو اور ''در عہد خردی آثار بزرگی درناصیہ او پیدا'' کا بہترین مصداق تھے، عالی نسبتوں، صالح تربیتوں اور بزرگوں کی نیک دعاؤں سے بھی ہمیشہ مالا مال رہے''۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد اہل علم نے حضرت مفتی صاحب کو بہترین خراج عقیدت پیش کیا ہے، علماء کے یہ تاثرات آپ کے علمی وروحانی مقامات سمجھنے کے لئے کافی ہیں، اگرچہ آج حضرت مفتی صاحب ہمارے درمیان نہیں ہیں؛ مگر ان کی محنتوں اور کاوشوں کا زندہ نمونہ ''بیت العلوم'' ہمارے سامنے ہے، یہ ہمیشہ ان کی یاد دلاتا رہے گا۔ سدا رہے نام اللہ کا......!!!

از: مفتی محمد شاکر نثار صاحب مدنی قاسمی

تاریخ وفات مقبول عالم

.... ۲۰۱۷ء ....

نحمد الخالق الأحد السميع ونصلي على رسوله الكريم

.... ۲۰۱۷ء ....

أعوذبالله اللطيف الجبار من الشيطان الرحيم

.... ۲۰۱۷ء ....

بسم الله الباعث الحيّ الرحمٰن الرحيم

.... ۱۴۳۹ھ ....

قال الملک الحسیب: سلام علیکم بما صبرتم

.... ۱۴۳۹ھ ....

قال الماجد الودود: سقاهم ربّهم شرابًا طهورًا

.... ۱۴۳۹ھ ....

قال المطهر: الموت جسر یوصل الحبیب إلی الحبیب

.... ۱۴۳۹ھ ....

قال الداعي الحجازي: تحفة المؤمن الموت

.... ۱۴۳۹ ھ ....

قد لقی ربه الکریم الباقی مبتسمًا

.... ۲۰۱۷ ء ....

غفرله الواجد الماجد

...... ۱۴۳۹ ھ ......

غفرله الممیت العلیم

...... ۲۰۱۷ ء ......

آہ! صاحب بصیرت محسن الامت

.... ۱۴۳۹ ھ............

مقبول بارگاہ واعظ شیریں بیاں

.... ۲۰۱۷ ء............

سلطان عصر خلیفہ محی السنہ

...... ۲۰۱۷ ء ......

بدر منیر سرپرست بیت العلوم

.... ۱۴۳۹ ھ............

مستند شیخ الحدیث

...... ۲۰۱۷ ء......

آہ! صاحب وقار مفتی محمد عبداللہ پھولپوری

.... ۲۰۱۷ ء..................

آہ! صاحب عرفان پیر طریقت

.... ۱۴۳۹ ھ............

آہ! رفیع المکان پیر طریقت

.... ۱۴۳۹ ھ............

جانشین پھولپوری مفتی محمد عبداللہ

.... ۱۴۳۹ ھ............

رشک گلشن قافلہ سالار بیت العلوم

.... ۲۰۱۷ ء............

سالِ وفات جانشین پھولپوری مفتی محمد عبداللہ	حق گو شیخ المشائخ
..................۲۰۱۷ء........................	......۲۰۱۷ء ......
آہ! قطب دہر ناظم اعلیٰ بیت العلوم	آہ! یگانہ صدر مفتی بیت العلوم سرائمیر
............۲۰۱۷ء............	............۲۰۱۷ء............
گوہر تاباں مکین جنت المعلّٰی	با فیض مکین جنت المعلّٰی مکہ مکرمہ
......۱۴۳۹ھ	............۲۰۱۷ء............
از شمار محمد شاکر نثار مدنی	شریک رنج خادم بیت العلوم
............۲۰۱۷ء............	..................۲۰۱۷ء............

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

نتیجۂ فکر: مولانا حفیظ اللہ حفیظ قاسمی — پیشکش: مولانا آزاد ساحر قاسمی

مرثیہ[1]

الٰہی رحم کر پھر آج یہ کیسی خبر آئی
جسے سنتے ہی آنکھیں نم ہوئیں آواز بھر آئی

تھی برحق پیش گوئی مردِ حق آگاہ نعمت[2] کی — کہا تھا جس نے یہ سن ہے سنِ صبر وشکیبائی
جنازوں پر جنازے اہل علم وفن کے اٹھیں گے — مراثی کہتے کہتے رو پڑے گی خامہ فرسائی
اِدھر اک مرگ کا ماتم مکمل ہو نہ پائے گا — اُدھر آواز گونجے گی فلاں رخصت ہوا بھائی
گیا پھر آج اک شیخ طریقت شیخ عبداللہ — بجا کرتی تھی بیت علم وفن میں جس کی شہنائی
کمالِ فن میں تحریر وخطابت جس کو حاصل تھا — مسلم اہل فن تک کو تھی جس کے فن کی گہرائی
جو طلبہ کے لیے یکساں سراپا مہر وشفقت تھا — یہ بیتِ علم وعرفاں جس کی نسبت پر تھا شیدائی
جو حضرت شیخ ہردوئی کی نسبت سے مجلی تھا — رہی صدرشک کہ یکساں جس کی جلوت اور تنہائی
مبارک روح نے رختِ سفر باندھا ہے مکہ سے — گیا آغوشِ الفت میں جہاں سے مرد سودائی
سراپا غم ہے اہل بیت وہ بیت العلم عرفاں — نگاہیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں بس گھبرائی گھبرائی

میرے مولیٰ تو اپنے فضل سے جنت عطا کرنا　　　جسے ہم پھولپوری کہہ رہے تھے تھا وہ صحرائی

حفیظ اب باندھ رکھیو آپ اپنا بوریا بستر　　　نہ جانے کب کہاں آئے اجل کس نے خبر پائی

الٰہی رحم کر پھر آج یہ کیسی خبر آئی

جسے سنتے ہی آنکھیں نم ہوئیں آواز بھر آئی

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

---

(۱) حضرت محسن الامت علیہ الرحمہ کی وفات پر لکھا ہوا یہ سب سے پہلا مرثیہ ہے، جو وصال کے دن ہی بعد ظہر واٹس ایپ پر مرتب ہو کر آ گیا تھا۔

(۲) بحرالعلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، جنہوں نے ۲۰۱۷ء کے آغاز میں ہی فرمایا تھا کہ یہ وفات العلماء کا سال معلوم ہوتا ہے۔ چناں چہ اس پیشین گوئی کے مطابق ہند و پاک کے متعدد بڑے بڑے اہلِ علم و فضل کی وفات ہوئی۔

نتیجۂ فکر: مولانا ولی اللہ ولیؔ بستویؔ　　　　پیشکش: قاری شبیر احمد مظفر پوریؔ

مرثیہ

اہل دل اور نیک سیرت مفتی عبد اللہ تھے
متقی تھے با صفا تھے اور اہل اللہ تھے

نامور تھے عالم دیں صاحبِ نسبت تھے وہ　　باوقار و محترم تھے اور باعظمت تھے وہ
عالی ہمت ذوالکرم تھے اور مایہ ناز تھے　　سالکوں کے راہ بر تھے صوفی ممتاز تھے
دعوت و تبلیغ کا ہے کارنامہ بے مثال　　اور اسلامی اشاعت کی ہے خدمت لازوال
وہ رہے عالی مفکر بہتریں تھے منتظم　　ایک دینی مدرسہ کے وہ رہے ہیں مہتمم
ان کا سینہ اس جہاں میں مرکزِ عرفان تھا　　چار جانب ہند میں جاری ہوا فیضان تھا
صاف دل سادہ طبیعت پیکرِ دینی مزاج　　وہ خلوصِ دل سے فرماتے تھے اصلاحِ سماج
رات دن ان کے لبوں پر رہتا تھا نام الٰہ　　اور علم وفضل میں اونچی رہی ہے پائے گاہ
آخری دم تک کیے پابندئ صوم و صلاۃ　　بہرِ دینِ مصطفائی وقف تھی ان کی حیات
نیک طینت پاک باطن خوش دماغ وخوش چلن　　مہرباں ان پر رہا ہے خوب ربّ ذوالمنن
صدق دل سے کر رہے تھے طاعت رب العلیٰ　　اور ان کا دل رہا ہے بیکراں علمی قلعہ
تھے اکابر کے چہیتے، تھے اصاغر پر شفیق　　کاروانِ معرفت کے وہ رہے سچے رفیق
گلشن بیتِ حکم کے وہ رہے ہیں باغ باں　　اور اسلامی شریعت کے رہے ہیں پاسباں

صاحبِ صدق و صفا تھے اور تھے کامل ولی — تھے ملنسار و ذہین و نیک خو مرد ذکی
تھے جری بے باک حق گو تھے امانت دار وہ — حامل مہر و اخوت تھے دیانت دار وہ
مشورے اہل ہنر کو دیتے تھے اچھے مدام — عالمانِ عہدِ حاضر میں رہے ہیں نیک نام
علم کے موتی بکھیرے تھی صدا ان کی زباں — حاضرین وسامعیں ان کے رہے ہیں قدرداں
ان کا دار فیض تھا وہ مدرسہ بیت العلوم — اوران کے حق میں تھا نعمت کدہ بیت العلوم
جانب مکہ گئے تھے وہ تو عمرہ کے لیے — شوق سے وہ تھے گئے دیدارِ کعبہ کے لیے
تھے محمدؔ، احمدؔ و اسجدؔ بھی ان کے ساتھ میں — اہلیہ ان کی بہو بھی خوش تھیں ان کے ساتھ میں
دو دسمبر کو رہا ہے واپسی کا انتظار — کہ اچانک چل بسے وہ جانبِ پروردگار
تھی نومبر تیس وہ سن دو ہزار وہ ستّرہ — صبح کو مکہ میں ان کو قلب کا دورہ پڑا
دس ربیعِ اوّلیں چودہ سو اُنتالیس تھا سن — پنجشنبہ دن رہا ہے غم زدہ اہل زمن
لے گئے بہرِ دوا احباب سوئے ہسپتال — مرضیٔ مولیٰ وہیں فرما گئے وہ انتقال
اور تھی بعدِ عشا ان کے جنازے کی نماز — مسجد کعبہ میں سب رب سے کیے راز و نیاز
شیخ خالد غامدؔی ہی تھے جنازے کے امام — سات بج کر دس منٹ پرغم رہا ہے وقت شام
جنت باغ معلّٰی میں ہوئے مدفون وہ — قوم کو عشق و وفا کا دے گئے مضمون وہ
اسعداللہؔ[۱] جلیل القدر ہیں خلفِ کبیر — مفتی عبداللہ کے فیضان سے ہیں مستنیر
اجوداللہؔ[۲] معظم ہوگئے غم سے نڈھال — سانحہ بے حد بڑا ہے انتقالِ پرملال
احمداللہؔ[۳] مکرم ہوگئے ہیں اشکبار — والدِ مرحوم کو ہیں یاد کرتے باربار

اسجد اللہ[4] ثنا خوانِ محمد مصطفیٰ[3] وائے ناکامی کہ سینہ فرطِ غم سے پھٹ گیا
ہے محمد[5] کے دلِ رنجور میں غم کی لہر یاد میں مرحوم کی ڈوبے ہیں وہ شام وسحر
ہوگئے ماتم زدہ الیاس[6] خورشید و غفراں اور چھائی ہے سبھی پر آج رنج غم کی شام
آج محبوب[7] و جمال انور[8] ہوئے ہیں غم زدہ ان کی خوشیوں کا محل اب بن گیا ماتم کدہ
آج عبدالبر[9] گویا ہوگئے پھر سے یتیم ان کی نظروں میں تھے عبداللہؒ اک درِّ یتیم
اشک باراں ہوگئے ہیں حضرت عبدالرشید[10] جو ہمارے عہد کے ہیں عبقریں فردِ وحید
اب ضیاء اللہ[11] کے سر پر ہے کوہِ غم گرا فرقتِ مرحوم کا ہے زخم سینے میں ہرا
سب دعائیں کررہے ہیں مغفرت کی ڈوب کر کہ خدایا مردِ حق کی ہر مصیبت دور کر
ہو میسر روزِ محشر سایۂ عرشِ عظیم جنت الفردوس میں مرحوم کو فرما مقیم
ہے ولی کی یہ دعائے دل انھیں جنت ملے اور سرکار دوعالمؐ کی انھیں قربت ملے

(۱) پہلے صاحبزادے جناب حاجی اسعد اللہ صاحب رکن عاملہ مدرسہ بیت العلوم۔
(۲) دوسرے صاحبزادے مولانا مفتی محمد اجود اللہ صاحب خلیفہ حضرت والا و نائب ناظم مدرسہ بیت العلوم۔
(۳) تیسرے صاحبزادے حضرت مفتی محمد احمد اللہ صاحب خلفیہ و جانشین حضرت والا و ناظم اعلیٰ مدرسہ بیت العلوم۔
(۴) چوتھے صاحبزادے مولانا مفتی محمد اسجد اللہ صاحب استاذ مدرسہ بیت العلوم۔
(۵) پانچویں صاحبزادے حافظ محمد اللہ سلّمہٗ متعلّم مدرسہ بیت العلوم۔
(۶) مولانا محمد الیاس صاحب خلیفہ حضرت والا و ناظم تنظیم و ترقی مدرسہ بیت العلوم۔
(۷) مولانا محبوب عالم صاحب قاسمی مجاز صحبت حضرت والا و استاذ حدیث مدرسہ بیت العلوم۔
(۸) مولانا جمال انور صاحب قاسمی خلفیہ حضرت والا و نائب ناظم مدرسہ بیت العلوم۔
(۹) مولانا عبدالبر صاحب قاسمی ابن حضرت شیخ عبدالحق اعظمیؒ، استاذ حدیث مدرسہ بیت العلوم۔
(۱۰) حضرت مولانا عبدالرشید صاحب سلطان پوری استاذ حضرت والا و استاذ حدیث مدرسہ بیت العلوم۔
(۱۱) مولانا محمد ضیاء اللہ صاحب دیرینہ خادم حضرت والا و استاذ مدرسہ بیت العلوم۔

نتیجۂ فکر: مولانا نبیہ محمد صاحب
پیشکش: قاری حسین احمد استاذ مدرسہ بیت العلوم

مرثیہ

آئی خبر کہ قوم کے رہبر چلے گئے
تنہا تھے سیکڑوں کے برابر چلے گئے

شیخ الحدیث مفتی عبداللہ تھے بے مثال
رشد و ہدیٰ کا درس پڑھا کر چلے گئے
جانے کا ان کے واہ رے انداز دیکھئے
ہنستے ہوئے وہ سب کو رلاکر چلے گئے
پہلے کہیں بھی جاتے تھے آتے تھے لوٹ کر
اس مرتبہ بَراش بناکر چلے گئے
طوفانِ کفر وشرک سے بدعت کی پھونک سے
جو گل نہ ہو چراغ جلا کر چلے گئے
اپنے لہو سے سینچ کے گلزارِ بیت کو
علم و عمل کے پھول کھلا کر چلے گئے
جن کو تمام عمر تسلی دیا کیے
آج ان کو بے قرار بناکر چلے گئے
اپنے بڑوں کی طاعت و خدمت کا آئینہ
جن کے بڑے تھے ان کو دکھا کر چلے گئے
اب رنج و غم کی آگ میں جلتے رہیں گے ہم
گھر اپنا خلد میں وہ بنا کر چلے گئے
وہ خود تو اپنی منزلِ مقصود پالیے
اور ہم کو راستے پہ بٹھا کر چلے گئے
نقشِ قدم پہ ان کے چلائے ہمیں خدا
وہ تو ہر ایک راہ دکھا کر چلے گئے
کوثر نصیب ہو انھیں آقاؐ کے ہاتھ سے
وہ بھی تو سیکڑوں کو پلاکر چلے گئے
اب بند کر زبان کہ شکوہ کریں گے لوگ
آئے تھے تعزیت کو رُلاکر چلے گئے

آئی خبر کہ قوم کے رہبر چلے گئے
تنہا تھے سیکڑوں کے برابر چلے گئے

تمت بالخیر